حرفِ دُعا

ریاض عاقب کوہلر

ناول　　ریاض عاقب کوہلر

حرفِ دُعا

''اٹھتے ہو، یا پانی کا جگ انڈیلنا پڑے گا؟'' ضو نے کمبل میرے اوپر سے کھینچ کر پرے پھینکا۔

''سونے دو نا یار......! میں نے کروٹ بدل کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''میرا خیال ہے، یہ الفاظ تمھیں خالی خولی دھمکی لگ رہے ہیں؟'' اس نے دوبارہ تنبیہ کی۔

میں جواب دیے بغیر دم سادھے پڑا رہا۔

وہ اطمینان سے بولی۔ ''ٹھیک ہے !...... پہلے مرحلے میں آدھا گلاس پانی۔''

اور اس کے پانی پھینکنے سے پہلے میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ''کیا مصیبت ہے یار!...... اب چھٹی کے دن بھی نہیں سونے دو گی؟''

''آرام کا کوئی ٹائم ہوتا ہے محترم!...... گیارہ بجنے والے ہیں اور تمھاری نیند ہی پوری ہونے میں نہیں آ رہی''

''پتا ہے؟...... میں رات کو کس ٹائم سویا تھا؟''

''میری بلا سے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''میں تو گیارہ بجے اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

''اچھا تکلیف کیا ہے تمھیں؟'' میں نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

''اتنی جلدی بھول گئے؟'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

''یہ غصہ کسی اور کو دکھانا، ڈرتا نہیں ہوں تم سے؟'' اب میں ویسے ہی اٹھ گیا تھا اور اس حالت میں اس سے دب کر بات کرنا مجھے کسی طور گوارا نہیں تھا۔

''تیری تو......؟'' وہ پھرتی سے میز پر پڑے پانی کے جگ کی طرف جھپٹی اور میں چھلانگ لگا کر باتھ روم کی طرف بھاگ گیا۔ باتھ روم کا دروازہ کنڈی کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ کمرے سے باہر جا رہی ہے۔ اور مجھے پتا تھا کہ میرے لیے ناشتا لینے جا رہی ہے۔

ہم دونوں کزن ہیں اور والدین کی اکلوتی اولاد بھی۔ عذرا جسے میں ہمیشہ ضو کہہ کر بلاتا ہوں مجھ سے چھ سال چھوٹی ہے۔ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی وہ مجھے تحفے میں مل گئی تھی۔ ماں کی گود سے زیادہ وہ میری گود میں پلی بڑھی۔ بچپن ہی سے ہم دونوں میں گاڑھی چھننے لگی تھی۔ ہم دونوں کا برتاؤ بالکل دوستوں والا تھا۔ جوان ہونے کے بعد بھی یہ رویہ نہیں بدلا تھا۔ لڑکی ہونے کے باوجود وہ مجھ سے ہاتھا پائی کرنے سے بھی باز نہیں آتی تھی۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ وہ میری چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال ماں، بہن کی طرح رکھتی۔ میرے کپڑے استری کرنا، الماری میں ترتیب سے لٹکانا، بستر کی چادر بدلی کرنا، میرے لیے ناشتا کھانا وغیرہ لے کر آنا اسی کی ذمہ داری تھی۔

والدین کی طرف سے بھی ہم پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ جوان ہونے کے بعد بھی میں نے کبھی اسے ان نظروں سے نہیں دیکھا تھا، کہ وہ ایک خوب صورت اور پر کشش لڑکی ہے۔ میرے نزدیک وہ ایک دوست کی طرح تھی۔ ایک اچھا، مخلص اور قیمتی دوست۔ جس سے میں ہر بات منوا سکتا تھا۔ غصے میں آکر اس کی پٹائی کر دیتا اور غلطی پر ہونے کی صورت میں اس کے تھپڑ اور گھونسے ہنسی خوشی برداشت کر لیتا۔ میری چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس سے پوشیدہ نہیں تھی اور نہ اس نے کبھی اپنے خیالات یا احساسات مجھ سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ والدین کا رویہ ایسا تھا کہ ہم دونوں دو دو ماں باپ رکھتے تھے۔ میں کبھی ابو جان اور چچا جان کی محبت میں تمیز نہیں کر سکا اور نہ امی جان اور چچی جان کی شفقت میں کسی ایک کو زیادہ نمبر دے سکا۔ یہی حال ضو کا تھا۔

میں نہا کر باہر نکلا تو وہ ناشتے کی ٹرے لیے منتظر نظر آئی۔

''تمھیں پتا ہے نا؟...... مجھے انڈے سے الرجی ہے۔'' میں نے پلیٹ میں پڑے ابلے ہوئے انڈوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی، جن چھلکا نفاست سے اتارا گیا تھا۔

''جانتی ہوں محترم!......'' اس نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔ ''لیکن موسم بدل رہا ہے اور سردیوں کی آمد کے ساتھ، تمھیں پسند ہو یا نہ ہو انڈے کھانے پڑتے ہیں اور ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی ٹھونسنے پڑیں گے؟''

''پر یہ تین انڈے؟...... تم تو روزانہ ایک انڈہ لیتی ہو نا پھر؟''

''ہاں...... آج بھی ایک ہی لوں گی...... دو تمھارے لیے ہیں۔''

''میں نے نہیں کھانے دو انڈے، خود کھا لینا۔'' میں نے لہجے میں سختی پیدا کرنے کی کوشش کی، گو میں جانتا تھا کہ اگر اس نے ارادہ کر لیا ہے تو ہر صورت مجھے منا کر چھوڑے گی، وہ اپنی بات منوانا جانتی تھی۔

''شاید عزت سے ناشتا کرنا تمھیں اچھا نہیں لگتا؟'' اپنے حصے کا انڈہ اٹھا کر اس نے پلیٹ میری جانب کھسکا دی۔

''یار ضو......!...... کیا بکواس ہے؟'' میں نے پر زور احتجاج کیا۔

''میرا نام عذرا مختیار ہے......؟'' جب اس نے میری بات کا جواب نہیں دینا ہوتا تو وہ یہی انداز اختیار کرتی کہ کسی اعتراض نہ کرنے والی بات پر اعتراض جڑ دیتی۔

''اگر میں نہ کھاؤں تو تم میرا کیا بگاڑ لوگی؟'' میں نے ملک شیک کا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر کے پوچھا۔

''کوشش کر کے دیکھ لو؟'' اس کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔

''نہیں پھر بھی......؟ مطلب اگر میں صرف ایک کھاؤں؟''

''ایک کھاؤ یا بالکل نہ کھاؤ سزا ایک ہی ملے گی۔''

''ذرا میں بھی سنوں؟''

''کل انڈیا اور پاکستان کا کرکٹ میچ ہے۔'' وہ سیب چھیلتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

''اوہو شٹ یار!...... مجھے تو بھولا ہوا تھا۔'' میں جلدی جلدی انڈے ٹھونسنے لگا، کیونکہ اس کی دھمکی نہایت

واضح تھی، کہ اس نے مجھے کرکٹ کا میچ نہیں دیکھنے دینا تھا۔ گو وہ خود بھی میری وجہ سے کرکٹ میچ دیکھتی رہتی تھی لیکن جب ضد پر آجاتی تو مجھے ایک جھلک بھی نہیں دیکھنے دیتی تھی اور اس کا تجربہ مجھے ہو چکا تھا، پاکستان اور نیوزی لینڈ کا میچ شروع ہونے میں آدھا گھنٹا رہتا تھا جب اس نے آئس کریم کھانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا ۔اس کا موقف تھا کہ مارکیٹ سے آئس کریم لے کر ہم گھر بیٹھ کر کھالیں گے اور اس خریداری میں بیس پچیس منٹ سے زیادہ نہ لگتے مگر مجھے ٹی وی کے سامنے سے اٹھنا گوارا نہ ہوا نتیجتاً میں وہ میچ نہ دیکھ سکا۔ اور اب میں انڈیا، پاکستان کے میچ کی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ مجھے صرف کرکٹ کے میچ کی دھمکی نہیں دیتی تھی، اس ضمن میں اس کے ترکش میں کئی تیر تھے، میری کسی قیمتی چیز کا بیڑہ غرق کرنا، مجھے سونے نہ دینا، خود بھوک ہڑتال کر لینا وغیرہ۔ البتہ میری بات پر وہ زیادہ تر، بے چوں چراں عمل کرتی، کبھی نہیں کرنے کا اتفاق ہو بھی جاتا تو گدھے کی طرح مجھ سے ہٹ جاتی تھی۔

ناشتا کر کے وہ برتن سمیٹنے لگی...... گھر میں نوکرانی موجود ہونے کے باوجود میرے کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرنا پسند کرتی تھی۔

وہ برتن رکھ کر لوٹی تو میں ابھی تک اطمینان سے بیٹھا تھا۔ ''اب چلو بھی راجو!...... پہلے ہی اتنے لیٹ ہو چکے ہیں۔''

''یار ضو......! کچھ خدا کا خوف کرو...... مجھے شاپنگ سے اتنی چڑ ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہیں بھاگ جاؤں۔''

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں، ہفتے بعد شادی ہے کم از کم تین سوٹ خریدنے ہیں میں نے، جوتے اور میک اپ کا سامان بھی لینا ہے۔ پھر تمھارے لیے مجبوراً مجھے ہی خریداری کرنی پڑے گی کہ جناب کا انتخاب، گھٹیا پن کی اعلا مثال ہوتا ہے اور یقیناً یہ کام دو تین گھنٹوں میں تو نہیں نبٹایا جا سکتا؟''

میں سر پکڑتے ہوئے بولا۔ ''کچھ خدا کا خوف کرو ضو!......''

''خدا کا خوف ہی تو کر رہی ہوں...... ورنہ تجھے آٹھ بجے ہی مارکیٹ نہ لے جاتی؟''

''اچھا میری ماں!...... اب چلو۔'' میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

وہ شرارت سے بولی۔ ''ویسے آج موڈ نہیں ہے تو یہ کام کل پر بھی ٹالا جا سکتا ہے؟''

''پٹو گی مجھ سے ضو......'' میں نے دانت پیسے اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کرکٹ میچ میری کتنی بڑی کمزوری ہے۔

ہم سہ پہر ڈھلے ہی واپس لوٹ سکے تھے۔ اپنے لیے شاپنگ کے ساتھ اس نے میرے لیے بھی شاپنگ کی تھی، یوں بھی میرے لیے کپڑوں، جوتوں، پرفیوم، کمرے کی سجاوٹ کا سامان، یہاں تک کہ موبائل اور لیپ ٹاپ تک وہ اپنی پسند سے خریدتی۔ میں نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ سپورٹس شرٹ خریدی تھی، مگر صرف ایک دن ہی پہن سکا تھا۔ اس کے بعد وہ کہاں غائب ہوئی مجھے آج تک پتا نہیں چل سکا۔ البتہ اس کا رنگ کتنا بونگا تھا، لمبائی چوڑائی کتنی بے ڈھنگی تھی، اس پر ہونے والا تبصرہ ہر خریداری کے موقع پر تازہ کیا جاتا۔

☆......☆......☆

میں ماسٹر کر رہا تھا جبکہ ضو سیکنڈ ایئر میں تھی۔ کالج وہ میرے ساتھ ہی جاتی البتہ واپسی پر اسے ڈرائیور لینے جاتا کیونکہ مجھے یونیورسٹی سے تھوڑا لیٹ آنا ہوتا تھا۔ واپسی پر وہ کالج کا لباس بدل کر میری خواب گاہ کی صفائی اپنی نگرانی میں کراتی اور پھر وہیں بیٹھ کر میرا انتظار کرتی۔ میری واپسی پر ہم دونوں تھوڑی دیر گپ شپ کرتے، اکٹھے دوپہر کا کھانا کھاتے اور اس کے بعد وہ آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ اس دن بھی وہ کمرے کی صفائی کے بعد میرے بستر پر لیٹی ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی جب میں تیز قدموں سے چلتا اندر داخل ہوا، میرے چہرے پر چھائے خوشی کے اثرات اسے نہال کر گئے تھے۔ مجھے خوش دیکھ کر جانے کیوں وہ بھی کھل اٹھتی تھی۔

''ضو......ضو، پتا ہے آج میں بہت خوش ہوں؟'' میں خوشی سے چہکا۔

''وہ تو تمھارے تھوبڑے سے بھی دِکھ رہا ہے، وجہ پھوٹو؟''

''اس کا نام رخشندہ ہے، مجھ سے ایک سال جونیئر ہے اور بہت پیاری ہے۔''

ضو کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے عجیب سے تاثرات نمودار ہوئے مگر اگلے لمحے خود پہ قابو پاتے ہوئے اس نے زوردار قہقہہ لگایا...... ''محترم! ...... یہ غالباً آٹھویں ہے یا پھر نویں؟ ...... لیکن اس مرتبہ ایک دم اچانک، مطلب پہلے ذکر نہیں کیا......؟

''اچانک کہاں ضو......! مہینے بھر سے اس کے دائیں بائیں پھر رہا ہوں۔''

''مطلب...... پہلے مجھ سے یہ بات چھپائی رکھی......؟ کیوں......؟''

''وہ کیا ہے کہ......اگر وہ نہ مانتی تو تم نے میرا مذاق اڑانا تھا، میں نے سوچا پہلے اسے منالوں اس کے بعد تمھیں بھی بتادوں گا۔''

''منانہ لوں...... پٹالوں کہو؟'' اس نے زبان نکال کر مجھے چڑایا۔ ''ویسے اگر وہ نہ مانتی پھر؟''

''تو کیا......؟ تمھیں پھر بھی بتادیتا۔''

''بس......بس میں جانتی ہوں ......شرم آنی چاہیے تمھیں، اگر مجھے دوست سمجھتے تو پہلے دن ہی یہ بات بتا دیتے۔''

''ضو!......سوری نا یار!......اچھا آئندہ پہلے سے بتادیا کروں گا۔''

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''مطلب یہ آخری نہیں ہے......؟اس کے بعد بھی کہیں منہ مارنے کا ارادہ ہے؟''

''نہیں یار!......میرا مطلب ہے ابھی رخشی سے ہونے والی ساری باتوں سے تمھیں آگاہ رکھوں گا۔''

''وہ تو خیر رکھو گے، جیسے ثمینہ، رانی، پنکی، کرن، سنبل، اقدس، رضیہ کے بارے مجھے آگاہ رکھتے تھے۔''

''ہاں اور سچ میں ضو......!اس مرتبہ میں سنجیدہ ہوں۔''

''اچھا مذاق ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''ویسے، خاندانی بیک گراونڈ کیسا ہے؟''

''ایس پی کی بیٹی ہے۔''

''واہ!......اس کا مطلب ہے؟ تو نے ذرا بھی گڑ بڑ کی تو حوالات کی سیر کرنی پڑے گی۔''

''رخشی کے لیے سب کچھ قبول ہے۔'' میں نے اس کا تصور کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا بہت خوب صورت ہے؟'' اس کے لہجے میں حسد یا رشک جیسا کوئی جذبہ ضرور پوشیدہ تھا مگر میں نے زیادہ توجہ اس لیے بھی نہیں دی کہ دوسری عورت کے حسن کی تعریف کوئی عورت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

''ہاں ضو!......سرخ سیب کے سے رخسار، موٹی موٹی غلافی آنکھیں، گلابی ہونٹ، صراحی دار گردن......سرو قد، یقین کرو اپسرا ہے اپسرا......آج تک میں نے اس جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔''

"مطلب پہلے والی تمام سے خوب صورت ہے؟"

"بے شک۔"

"تو پھر، کب ملا رہے ہو؟"

"جب کہو۔"

"ایسا ہے کہ...... کل میں چھٹی کے بعد ادھر یونیورسٹی ہی میں آجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا تم چینج کرو میں کھانا لاتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف بڑھ گئی اور میں سر ہلاتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

☆......☆......☆

"اچھا پتا ہے؟ آج ضو تمھیں دیکھنے آئے گی۔"

"یہ کون ذات شریف ہے؟" رخشندہ مستفسر ہوئی۔ ہم دونوں اس وقت یونیورسٹی کی کنٹین میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"میری دوست ہے۔" اور پھر اس کی آنکھوں میں جھلکنے والی حیرت دیکھ کر میں نے وضاحت کی۔ "میرا مطلب کزن ہے میری۔"

"آپ کی کزن کا میرے ساتھ کیا کام؟"

"وہ بچپن سے میرے ہر کام میں دخیل رہی ہے، اب شادی ایسا اہم کام میں اس کے مشورے کے بنا تو نہیں کر سکتا نا؟"

"کیا مطلب ...... اگر میں اسے پسند نہ آئی تو آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟" رخشی کے لہجے میں حیرت کے ساتھ غصے کا عنصر بھی شامل تھا۔

"اوہو! ...... یہ میں نے کب کہا...... وہ میری راز دار ضرور ہے مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس کی وجہ سے ہماری محبت میں کوئی رخنہ پڑ سکتا ہے؟"

"دیکھ لو جدیر! ...... کہیں یہ نہ ہو وہ کچھ زیادہ ہی ایفی شینسی (Efficiency) دکھانا شروع کر دے۔"

نہیں جی!......وہ ایسی نہیں ہے۔" میں جلدی سے بولا۔

"اچھا دیکھ لیں گے......اب چلو پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔"

وہ اٹھ گئی اور میں سر ہلاتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔آخری پیریڈ شروع ہونے سے پہلے مجھے ضو کا ایس ایم ایس موصول ہوا کہ وہ یونیورسٹی گیٹ پر پہنچ چکی ہے۔

"اوکے......ڈرائیور کو واپس بھیج دو اور خود یونیورسٹی کنٹین میں آجاؤ۔" جوابی ایس ایم ایس لکھ کر میں رخشی کو کال کرنے لگا۔

"یس؟" اس نے کال اٹینڈ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"ضو، کنٹین میں ہماری منتظر ہے۔"

"کیا آخری پریڈ اٹینڈ نہ کروں؟"

"ہاں، رخشی!......وہ اتنی دور سے صرف تمھیں ملنے آئی ہے۔"

"اوکے، میں پہنچ گئی۔" کہہ کر اس نے کال منقطع کر دی۔میرے قدم بھی کنٹین کی طرف اٹھ گئے۔اس وقت کنٹین میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ضو نے نسبتاً خالی گوشے میں جگہ سنبھالی ہوئی تھی۔وہ اس وقت کالج یونیفارم ہی میں تھی۔میں اس کے سامنے کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔"

"کہاں ہے جی ہماری بھابی؟"

"بس آنے ہی والی ہے۔" میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے میرے بارے بتا دیا تھا نا؟" وہ عجیب سے لہجے میں مستفسر ہوئی۔

"ہاں ضو!......ابھی وہ تمھیں ملنے ہی تو آرہی ہے۔" الفاظ میرے ہونٹوں پر تھے کہ رخشندہ کنٹین میں داخل ہوئی۔

"یہی ہے؟" اس کے اندر داخل ہوتے ہی ضو نے آہستہ سے پوچھا۔

"صحیح پہچانا......" کہتے ہوئے میں اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ضو نے بھی میری تقلید کی تھی۔

"اسلام علیکم!......" رخشی نے سلام کرتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے ضو کی طرف بڑھا دیا۔

''وعلیکم اسلام!......آئیں بھابی بیٹھیں۔''ضوشوخی سے بولی۔

''ضو!......کیا لوگی؟ گرم یا ٹھنڈا......؟''

''راجو جی!...... کنٹین کی پھیکی اور بے مزا چائے پر ٹرخانے کی ضرورت نہیں ہے۔اور تمھیں پتا ہے گھر سے باہر میں کس ہوٹل میں کھانا پینا پسند کرتی ہوں؟''

''تمھیں میں نے نہیں بلایا تھا سمجھیں؟''میں نے آنکھیں نکالیں۔

''بلانے کو چھوڑو...... میری آمد کا مقصد دیکھو،آخر میں نے ہی جا کر امی جان اور ابو جان کو راضی کرنا ہے۔''

''مجھے تمھاری مدد کی بالکل ضرورت نہیں، خوامخواہ میرا بڑا بننے کی ضرورت نہیں؟''

''بنوں گی......کیا تم مجھے روک سکتے ہو؟''اس نے آنکھیں نکالیں،اس ٹائم اسے یہ بھول گیا تھا کہ ہمارے ساتھ کوئی تیسرا بھی موجود ہے۔

''شٹ اپ ضو!......''میں نے اسے ڈانٹ کر خاموش کرانا چاہا۔

''یو شٹ اپ...... بھاڑ میں جاؤ......تم بھی اور......''اس نے رخشی کی طرف دیکھا اور مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کر کنٹین سے باہر جانے لگی۔

''اے ضو! سنو تو؟''میں اسے آواز دی،مگر وہ سنی ان سنی کرتی باہر نکلتی چلی گئی۔

''سوری رخشی!......مگر مجھے اس کے پیچھے جانا پڑے گا۔''میں رخشی کا جواب سنے بغیر تیز قدموں سے چلتا ہوا کنٹین سے باہر نکل آیا......ضو کا رخ یونیورسٹی کے داخلی دروازے کی طرف تھا،میں جانتا تھا کہ اسے وہیں منانے کی کوشش کامیاب ہونے والی نہیں ہے۔وہ کسی بھی صورت واپس آنے پر راضی نہ ہوتی۔اور اگر میں بالکل اسے نظر انداز کر دیتا اور اس کے پیچھے نہ جاتا تب تو شاید وہ کئی دن خفگی میں گزار دیتی۔

میں پارکنگ کی طرف بڑھا،جب تک میں کار،پارکنگ سے باہر نکالتا،وہ یونیورسٹی سے باہر نکل گئی تھی۔جلد ہی میں نے اسے جالیا۔کار اس سے چند گز آگے روک کر میں نیچے اترا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے ضو!......؟''میں اس وقت سچ مچ طیش میں تھا۔

''مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔''بے پرواہی سے کہتے ہوئے اس نے میرے قریب سے گزرنا چاہا۔

میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ ''آخر ایسا کیا کہہ دیا میں نے کہ تم سیخ پا ہو گئیں؟''

''ایک غیر لڑکی کے سامنے مجھے شٹ اپ کہنا تمھارے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے، جانے وہ کیا سوچ رہی ہوگی میرے بارے؟''

''اچھا کار میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کار کی سمت کھینچا، خلاف توقع بغیر کسی اعتراض کے وہ کار میں بیٹھ گئی۔

''ضو!...... بات سمجھنے کی کوشش کرو، وہ کوئی غیر نہیں میری ہونے والی بیوی ہے۔ اور تم نے بھی تو جواباً مجھے شٹ اپ کہہ دیا تھا، پھر خفا ہو کر وہاں سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اب میں جواب بھی نہ دیتی؟'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

''بات سمجھنے کی کوشش کرو یار!...... میرے کہنے کا مطلب ہے، جب تم نے بدلا لے لیا تھا، پھر کیوں اٹھ آئیں۔ جانے کیا سوچ رہی ہوگی رمشی...... میں نے اس کا آخری پیریڈ بھی مس کرا دیا۔''

''بڑی تکلیف ہو رہی ہے اس کی ذرا سی زحمت پر...... اور میں جو اتنی دور سے چل کر آئی ہوں وہ تمھارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا؟'' وہ بھناتے ہوئے بولی۔ ''یوں بھی پہلی نہیں ہے کہ اس کی خفگی سے تمھیں کوئی فرق پڑے؟''

''اچھا یہ دیکھو......'' میں نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے، کوئی پیر فقیر ہے تو اس کا واسطا...... مجھے معاف کرو۔''

''ہا...... ہا...... ہا'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی۔ ''اچھا اب چلو بھی، یا یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے؟''

''واپس چلیں؟''

''جی نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں سے سیدھا میکڈونلڈز اور پھر وہاں سے ماہدولت کو مارکیٹ لے جانا...... کوئی چیز خریدنی ہے۔''

''کیا مطلب کوئی چیز خریدنی ہے؟'' میں بوکھلا گیا تھا۔

''کپڑوں کا ایک سوٹ لینا ہے نا یار!...... اس دن تین سوٹ لیے تھے، ان میں سے ایک تائی جان نے

اپنے لیے رکھ لیا اب ایک اور خریدنا پڑے گا۔''

''تو کون سا تمھاری شادی ہو رہی ہے، کہ دو سوٹوں سے گزارا نہیں ہو سکتا؟''

''تم نے چلنا ہے کہ نہیں......؟'' وہ دوبارہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

اور میں نے سر جھٹکتے ہوئے کار آگے بڑھا دی، کہ اس سے بحث کرنا پتھر سے سر ٹکرانے کے مترادف تھا۔

☆......☆......☆

کھانا ہم باہر ہی کھا کر آئے تھے، اس لیے وہ میرے کمرے میں رکنے کے بجائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور میں موبائل نکال کر رخشندہ کو کال کرنے لگا۔ مگر اس نے نمبر بزی کر دیا، گویا وہ سخت خفا تھی۔ میں نے دو تین بار اس کا موبائل فون نمبر ڈائل کیا مگر وہ بار بار بزی کرتی رہی، تنگ آ کر میں نے کوشش کرنا ہی ترک کر دیا۔

رات کو میں نے یہ بات ضو کو بتا دی۔

''اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟'' اس نے حیرانی ظاہر کی۔

''واہ...... کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔ جب تم کنٹین سے نکل کر بھاگی تھیں تو وہ کیا تھا بی بی؟''

وہ اطمینان سے بولی۔ ''وہ تو تم نے میری توہین کی تھی...... بھاگنے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔''

''ضو! کچھ شرم کر دیار...... میں رخشی کو اکیلا چھوڑ کر تیرے پیچھے بھاگتا رہا۔''

وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ ''تو کیا میں کبھی تیرے پیچھے نہیں بھاگی، کبھی تیرے نخرے برداشت نہیں کیے؟''

''ہاں یہ تو ہے، مگر پھر بھی یار!...... تمھیں یہ ماننا پڑے گا کہ رخشی کے ساتھ میں نے زیادتی کی ہے۔''

''اچھا کل جا کر منا لینا راجو!...... اب اس موضوع کو چھوڑو، جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اور یوں بھی جب تم کسی لڑکی کے بارے سنجیدہ ہو جاؤ گے تو تم سے دور نہیں جا سکے گی، بے عقل، نالائق اور بے کار تم صرف میرے لیے ہو، لڑکیاں تمھیں ایسا نہیں سمجھتیں، یوں بھی دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ البتہ قریب آنے کے بعد ان کے پاس بھاگنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔''

''اے!...... بے عقل اور نالائق ہو گی تم خود۔ اور کون سی لڑکی مجھے چھوڑ کے گئی ہے؟ ذرا نام تو بتاؤ......؟''

''مجھ سے بار بار ان کے نام مت گنواؤ، تلاوت نہیں ہے کہ میں ہر منٹ بعد وہ فہرست دہرانا شروع کر دوں۔''

”تمام سے میں نے خود ہی قطع تعلق کیا ہے......اور یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو؟“

”اچھا آ آ آ......!“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ ”ذرا میں بھی تو سنوں کہ تو نے کس کس کو دھتکارا ہے......تو شروع کرتے ہیں ثمینہ سے؟“

”تو کرونا......؟ اس کی اور تمھاری برتھ ڈے ایک دن ہی آ رہی تھی۔ اور اس کے دعوت دینے کے باوجود میں وہاں نہ جا سکا۔“

وہ ہنسی۔ ”اور اگلے دن اس نے کہا، کہ آئندہ مجھے اپنی منحوس شکل نہ دکھانا۔“

”نہیں جی!......ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، بس مجھے دیکھ کر وہ کترا کر نکل گئی اور میں بھی اپنے رستے پر چل پڑا۔“

”اپنے نہیں، کرن کے رستے پر کہو۔ اور جسے تم کترا کر نکل جانا کہہ رہے ہونا؟ اس کی تشریح میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ میں تیری منحوس شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔“

میں جوش سے بولا۔ ”کرن، کو تو میں نے خود کہا تھا، کہ اب تیرے میرے رستے الگ ہیں؟“

”واہ......“ وہ ہنسی۔ ”یہ بھی بتاؤ ناں کہ کہا کب تھا؟“

میں نے زور و شور سے کہا۔ ”جب بھی کہا ہو، کہا تو میں نے ہی تھا ناں؟“

”اچھا میں بتا دیتی ہوں......اتوار کے دن تو نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسے لنچ کراؤ گے......وہ ہوٹل میں تیرا انتظار کرتی رہی اور تم............؟“

”ہاں میں اپنی منحوس کزن کو ہاسپٹل پھراتا رہا، اسے فوڈ پوائزن ہو گیا تھا، جو ہر کھانا آخری کھانا سمجھ کے کھاتی ہے۔“ میں بھناتے ہوئے بولا۔

”بات تو پوری ہونے دو؟“ اس کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں رہی۔ ”اگلے دن وہ کسی اور لڑکے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چہل قدمی کر رہی تھی......ایسی صورت میں محترم اس کے علاوہ کیا کر سکتا تھا کہ وہ پنکی کی جھولی میں جا گرے......اور یاد ہے تو نے پنکی کے سامنے کتنی قسمیں کھائیں تھیں کہ میرے ساتھ تیرا کوئی افیئر نہیں میں بس تیری اچھی دوست اور کزن ہوں مگر وہ نہ مانی اور اس نے تجھے سختی سے منع کیا کہ مجھ سے دور رہو گے۔ مگر مابدولت کو اتنی آسانی سے کسی کام سے نہیں روکا جا سکتا۔ تو کیا ہوا؟ پنکی نے بھی تجھے اپنی زندگی سے نکال پھینکا اور......“

”بس کرو میری ماں!......“ میں نے ہاتھ کانوں کو لگا کر ہاتھ جوڑ لیے۔ ”میری ساری محبوباؤں کو مجھ سے دور کرنے والی تم ہو کمینی، لیکن اب رخشی کو میں ناراض نہیں ہونے دوں گا؟“

”اچھا...... آئی ایم ریئلی سوری...... لیکن یقین کرو میں نے جان بوجھ کر کبھی ایسا نہیں کیا۔“ اس کے لہجے میں شامل ندامت گویا اس بات کی دلیل تھی کہ اسے رخشی کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا اور میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ہٹ دھرم کسی طور اپنی غلطی مان گئی ہے۔

☆......☆......☆

”رخشی!...... بات تو سنو۔“ جب وہ لاتعلقی سے میرے پاس سے گزرتی چلی گئی تو مجبوراً مجھے پکارنا پڑا۔

”جی؟“ پیچھے مڑ کر اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

”آئی ایم ریئلی سوری......“

”جدیر صاحب!...... میں اتنی گھٹیا اور فالتو نہیں ہوں۔ نہ تمہاری محبت میں مری جا رہی ہوں۔ تم نے سوچا بھی کیسے کہ یوں میری توہین کرو گے اور میں معاف کر دوں گی؟“

”رخشی!............“

””میرا نام رخشندہ ہے، انڈر سٹینڈ؟“

”اوکے اوکے مس رخشندہ اظہر صاحبہ! مجھے صفائی پیش کرنے کا موقع تو دو نا؟“

”فرماؤ......؟“

”وہاں کنٹین میں بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔“

”سوری، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کنٹین پر نعمان میرا منتظر ہے، اور اس کی موجودگی میں، میں تیری کوئی بات نہیں سن سکتی۔“

”کیا......؟“ میں غم و غصے سے چیخ پڑا تھا۔ ”ہوش میں تو ہو۔“

”ہاں اور اب تم بھی ہوش میں آ جاؤ۔ نعمان مجھے، تم سے بھی پہلے پرپوز کر چکا ہے اور میرے تمہاری طرف مائل ہونے کے باوجود اس کے دل میں میری چاہت کم نہیں ہوئی۔ جبکہ تمہارے دل میں کبھی میری چاہت تھی ہی نہیں؟“

''نہیں یہ جھوٹ ہے۔''میں نے پرزور انداز میں تردید کی۔

''جھوٹ کیسے......؟کیا ایک تھرڈ کلاس لڑکی کو منانے کے لیے تو نے مجھے کینٹین میں بلا کر میرا تماشا نہیں بنایا۔''

''شٹ اپ ،تھرڈ کلاس ہو گی تم خود، بلکہ تیری پوری فیملی ،خبردار آئندہ اگر میری کزن کے بارے اس طرح کے گندے الفاظ استعمال کیے تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔ بھاڑ میں جائے تیری محبت اور خود تم۔''ضو کے بارے اس کے ریمارکس سن کر میرا دماغ ایک دم گھوم گیا اور پھر اس کا جواب سننے کے لیے میں وہاں رکا نہیں تھا۔

''اوئے راہ گیر......''میرا قریبی دوست مظہر ہمیشہ مجھے جدید کے بجائے راہ گیر کہتا تھا۔اس وقت وہ یونیورسٹی کے لان میں گڑی سنگی بینچ پر بیٹھا مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنی جانب بلا رہا تھا ،جبکہ میرا رخ اس وقت پارکنگ ایریا کی طرف تھا، کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس دن میرا پڑھائی میں جی نہیں لگنا تھا۔

مظہر کو دیکھتے ہی میرے قدم اس کی جانب اٹھ گئے ،کہ اس وقت کسی ایسے مخلص دوست کی ضرورت مجھے شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

''کدھر بھاگے جا رہے ہو یار! تمھیں تو رخشندہ بھابی کو منانے جانا تھا؟''

''ہونہہ!......رخشندہ بھابی؟''میں طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''مجھے لگتا ہے کچھ غلط ہو گیا ہے؟''اس نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا اور مجھے خاموش پا کر دوبارہ بولا۔''کیا میرا اندازہ ٹھیک ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔''ہاں کچھ ایسا ہی ہے، میں اس سے تعلق توڑ آیا ہوں۔''

''غصے میں لگتے ہو؟''اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔''اچھا چلو پہلے کچھ ٹھنڈا ہو جائے ،پھر مجھے تفصیل بتلانا کہ کیا ہوا ہے؟''

''پتا نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے......؟''

''کھانا......؟ابھی نہیں۔''اس نے میرا بازو پکڑ کر کینٹین کی سمت کھینچا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

''جانتے ہو، پیار محبت کے کھیل میں کئی ایسے مراحل آتے ہیں کہ محبوب سے قطع تعلق کرنے کو جی چاہتا ہے ......مگر یہ ایک عارضی کیفیت ہوتی ہے ،جس سے محبت ہوتی ہے گلے شکوے بھی اسی سے ہوتے ہیں۔''میں

خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا، کنٹین میں جا کر اس نے دو کولڈ ڈرنک منگوائیں۔

میں نے ایک ہی سانس میں پوری بوتل ختم کر دی...... ٹھنڈے مشروب نے میرے اندر ابلتی تپش کو کم کیا اور میں کچھ بہتر سوچنے کے قابل ہوا۔

''اب بتاؤ......؟ کیا بات ہوئی؟'' مظہر اپنا کولڈ ڈرنک ختم کر کے مستفسر ہوا۔

''بس کیا بتاؤں یار؟...... بڑی مشکل سے رخشی کو اپنا بنایا تھا اور بڑی آسانی سے گنوا دیا۔''

اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔''تھوڑی وضاحت کرنے سے یقیناً تمھارے دانت گھس نہیں جائیں گے؟''

اور میں نے پوری تفصیل اس کے سامنے دہرا دی۔

وہ اطمینان سے بولا۔''اس میں سراسر تمھاری غلطی ہے۔''

''میری غلطی کیسے ہوگئی؟'' میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''تمھاری کزن ضروری تھی یا محبوبہ؟۔ کزن سے تم گھر میں بھی نمٹ سکتے تھے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ تم رخشی کو تسلی دیتے۔ یوں بھی تمھاری ساری محبوبائیں اسی لڑکی کی وجہ سے برگشتہ ہوئی ہیں''

''یار!...... رخشی کے ساتھ تو میری لڑائی ہی نہیں ہوئی تھی میں اور ضوہی آپس میں جھگڑ رہے تھے اور پھر وہ خفا ہو کر چل دی۔ مجبوراً مجھے اس کے پیچھے جانا پڑا یقین کرو اگر میں اس وقت یہ نہ کرتا تو بعد میں اس نے ہفتا بھر تو مجھ سے بات نہیں کرنی تھی، ناراضی کی حالت میں وہ کھانا پینا بھی چھوڑ دیتی ہے اور......''

''تو چھوڑ دے، پہلے تمھاری بیوی ہے اس کے بعد کوئی اور۔''

''مگر وہ میرے ساتھ بہت زیادہ مخلص ہے، تمھیں کیا پتا وہ کس طرح میری چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے، اس کی ناراضی مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتی۔''

''ویسے میں تمھارے نقطہ نظر سے متفق نہیں ہوں، لیکن چلو مان لیتے ہیں کہ تم اسے منانے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے، اسے منا لیا۔ اب رخشی کو جو غصہ آیا ہوا تھا اس کا تدارک کون کرتا؟''

''تو منتیں تو کرتا رہا ہوں، وہ خود تعلق نہیں رکھنا چاہ رہی تو میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''غلط، بالکل غلط۔ جب اس نے غصے کی حالت میں تمھاری کزن کو تھرڈ کلاس کہہ ہی دیا تھا...... تو تمھیں اس

بات پر اتنا سیخ پا ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ تم جانتے نہیں کہ ایک عورت دوسری عورت سے کتنا زیادہ حسد محسوس کرتی ہے، اگر عذرا تمھاری کزن کے بجائے سگی بہن ہوتی تو شاید رخشی کو اتنا غصہ نہ آتا۔ اور معاف کرنا تمھاری کزن نے ہر وقت تمھارے کام میں روڑے ہی اٹکائے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے غصہ اس بات پر نہیں آیا کہ اس نے ضو کو برا بھلا کہا، اس سے پہلے وہ نعمان اور اپنے بارے ایسی گفتگو کر چکی تھی کہ غصہ کرنا میری مجبوری بن گیا تھا۔ جب اسے مجھ سے زیادہ نعمان کی محبت چاہیے تھی تو، بھاڑ میں جائے۔"

"ہو سکتا ہے نعمان کا ذکر اس نے تمھیں جلانے کے لیے کیا ہو؟" یہ الفاظ مظہر کے ہونٹوں پر تھے کہ رخشندہ، نعمان کے ساتھ کنٹین میں داخل ہوئی۔ میرا رخ داخلی دروازے کی طرف ہی تھا۔

"خود ہی دیکھ لو۔" میں نے اسے دروازے کی طرف متوجہ کیا۔

"کیا دیکھ لوں؟" مظہر نے منہ بنایا۔ "گھنٹا بھر پہلے اس نے تمھیں کہا کہ نعمان کنٹین پر اس کا منتظر ہے اور وہ اب اس کے ساتھ کنٹین میں داخل ہو رہی ہے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے......؟ یہی نا کہ اس وقت اس نے جھوٹ کہا تھا۔ اگر نعمان اس کا منتظر ہوتا تو وہ دونوں ہم سے پہلے یہاں موجود ہوتے۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "چلو ابھی تو اپنے کہے کو سچ کر دیا؟"

مظہر نے انکشاف کیا۔ "ابھی بھی مجھے ڈراما لگتا ہے۔"

"بہر حال، اب میرے لیے یہی حقیقت ہے۔" میں بے پروائی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا "میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے؟"

مظہر مسکرایا۔ "کیوں برداشت نہیں ہو رہا؟"

"نہیں یار!......" میں صاف گوئی سے بولا۔ "میرا خیال ہے ہم اتنا آگے نہیں بڑھے تھے کہ اب لوٹنا ناممکن لگے؟"

"ناممکن نہ سہی...... مشکل تو ہے نا؟"

میں مسکرایا۔ "مشکلیں تو زندگی کا حصہ ہے نا یار!...... اور یوں بھی میں پہلی بار اس مرحلے سے نہیں گزر رہا

?"" یہ کہتے ہی میں آگے بڑھ گیا۔ مظہر نے اٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ رخشندہ کی ٹوہ میں لگا رہے گا۔ وہ میرا مخلص دوست تھا اور کبھی بھی مجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

"ارے واہ......آج تو جلدی پہنچ گئے؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی پوچھ سکتا ہوں؟" ضو کو اپنے کمرے میں دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا، کیونکہ ابھی تک اس کی چھٹی کا وقت نہیں ہوا تھا۔

"میرے سر میں درد تھا اس لیے پہلے پیریڈ کے بعد واپس آ گئی تھی۔"

"اب کیسی ہے طبیعت؟" سرسری لہجے میں پوچھتے ہوئے میں بیڈ پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولنے لگا۔

"ڈسپرین لے کر گھنٹا بھر آرام کیا اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

"چلو شکر ہے اور میرے لیے بھی فٹافٹ اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔" چپل پہن کر میں نے باتھ روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو کھانے کا وقت ہے؟......بعد میں پی لینا۔"

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے لگا۔

وہ سرعت سے بولی۔"بات سنو......؟"

میں نے رک کر اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نے آج مچھلی بنائی ہے۔" مچھلی ہم دونوں کی پسندیدہ خوراک ہے۔

"تم کھا لو میں بس ایک کپ چائے لوں گا۔" کہہ کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔

میں جب باہر آیا تو وہ چائے کا کپ لا چکی تھی۔ میں جانتا تھا کہ میرے بغیر اس نے بھی کھانا نہیں کھانا تھا، مگر میں جان بوجھ کر کھانے کا ذکر کیے بنا چائے پینے لگا۔ وہ خاموش بیٹھی مجھے گھورتی رہی۔ چائے پی کر میں نے خالی کپ تپائی پر رکھا اور بستر پر لیٹ گیا۔

"ضو!......میں تھوڑی دیر آرام کروں گا۔"

''اے راجو!......کیا ہوا؟'' وہ میرے ساتھ بیڈ پر بیٹھ کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''کچھ نہیں۔'' مختصر جواب دے کر میں نے آنکھیں موند لیں۔

''کیا وہ خفا ہو گئی ہے؟''

''نہیں، اس نے قطع تعلق کر لیا۔''

''میری وجہ سے ہے نا؟'' ضو کی آواز میں کئی اندیشے لرز رہے تھے۔

''نہیں۔'' میں نے اسے مطعون کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ حالانکہ ہم دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ میری تمام ناکام محبتوں کی بڑی وجہ ضو ہی تھی۔ ''بلکہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔''

''تو پہلے اسے پتا نہیں تھا......؟''

''شاید نہ ہو، مگر میرے رویے نے اسے، اس کی جانب مائل کر دیا۔''

''کیا وہ بہت خوب صورت ہے؟''

''یہ تو رخشی کو پتا ہو گا کہ وہ اسے کتنا اچھا لگتا ہے؟''

''اگر میں رخشی سے بات کر لوں؟ بلکہ اسے سوری کر لوں؟''

''چھوڑو ضو!......تم جاؤ آرام کرو۔''

''چلی جاتی ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولی، مگر اس کی انگلیاں اسی طرح میرے بالوں میں سرسراتی رہیں اور پھر مجھے پتا ہی نہ چلا کہ کب میری آنکھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

اگلے دن میں بریک ٹائم پر کنٹین میں داخل ہوا تو ضو کو رخشی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ میں سرعت سے ان کی میز کی طرف بڑھا۔ جانے وہ رخشی کو کیا پٹی پڑھانے آ گئی تھی۔ گو اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ رخشی کو سوری کہنے آئے گی، مگر اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اسے راضی کرتے کرتے پھر لڑائی شروع کر دیتی۔ کبھی کبھی میں سوچتا، کہ اسے اپنی زندگی میں اتنا زیادہ دخیل نہیں ہونے دینا چاہیے تھا، مگر پھر اس کی محبت، خلوص اور خدمت کی سوچ مجھے ملامت کرنے لگتی۔

’’ضو!......تم یہاں؟‘‘قریب جانے پر بھی جب وہ میری جانب متوجہ نہ ہوئی تو مجھے خود کہنا پڑا۔

’’راجو!......تم؟......بیٹھو نا؟ میں رخشندہ کو سوری کہنے آئی تھی۔ دراصل اس دن تم سے جھگڑتے ہوئے میں ان کے نازک جذبات کا خیال نہ رکھ سکی۔‘‘

رخشی نے کہا۔’’کوئی بات نہیں عذرا میں خفا نہیں ہوں، بس وقتی طور پر غصے میں آ گئی تھی۔‘‘وہ میری طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

میں نے کہا۔’’غالباً چائے منگوانا تمھیں بھول گیا ہے؟‘‘

’’تو منگوا دو؟‘‘ضو نے آنکھیں نکالیں۔’’تم نے اسی چائے پر ہی ٹرخانا ہے۔‘‘

’’یہ دیکھ رہی ہو؟‘‘میں نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتے ہوئے کہا۔’’چائے بھی پی لو......اور میکڈونلڈز جا کر بھی زہر مار کر لینا۔‘‘

’’ہا......ہا......ہا......‘‘اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔’’محترم ایک دن کی دوری بھی برداشت نہیں کر سکے اور گھٹنے ٹیک دیے۔ کہا تھا نا؟......پنگا نہیں لینا۔ بھابی میری کوئی بات نہیں ٹالتیں۔ کیوں رخشی بھابی؟‘‘اس نے اچانک رخشندہ سے پوچھا اور وہ سر جھکا کر شرمانے لگی۔

’’بس اتنی سی بات تھی، اب ذرا جلدی سے رخشی بھابی کو سوری کہو، غضب خدا کا اگر میں تم سے جھگڑ کر چل دی تھی، تو تم کیوں میرے پیچھے بھاگ پڑے، اب تمھیں اخلاقیات بھی میں سکھاؤں گی۔‘‘

میں اس وقت اس کی باتوں کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اتنی آسانی سے رخشی سے صلح ہو رہی تھی، میں جلدی سے بولا......

’’سوری رخشی!......رئیلی مجھ سے غلطی ہو گئی، لیکن یقین مانو ایسا انجانے میں ہوا۔ یوں بھی ضو کے ساتھ لڑائی جھگڑا تو روز کا معمول ہے۔‘‘

’’اٹس اوکے جدیر!......‘‘وہ شرماتے ہوئے بولی۔’’مجھے بھی بس خوامخواہ غصہ آ گیا تھا، حالانکہ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔‘‘

’’چلیں جی، یہ مسئلہ تو ہوا حل؟ اب میکڈونلڈز چلتے ہیں۔‘‘ضو نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے تجویز پیش

کی، مگر جانے کیوں مجھے اس کی ہنسی میں مصنوعی پن چھلکتا نظر آیا۔

''اوکے محترما!......لیکن کیا رخشی اپنے باقی پیریڈز کی قربانی دے پائے گی؟''

رخشی مسکرائی۔''اگر عذرا کی یہی خواہش ہے تو یقیناً میرا جواب نفی میں نہیں ہوگا۔''

''بھابی زندہ باد......''ضو نے آہستہ سے نعرہ لگایا اور رخشی کے چہرے پر قوسِ قزح کے رنگ جھلملانے لگے

☆......☆......☆

جلد ہی میں اور رخشی ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب آگئے تھے۔اس کے بنا مجھے اپنی زندگی ویران لگنے لگی تھی۔یہی حال اس کا بھی تھا۔کئی دفعہ وہ میرے لیے اپنے پسندیدہ پیریڈ بھی مس کر دیتی تھی۔ہم جب تک اکٹھے رہتے ہماری نظریں اور زبان محوِ گفتگو رہتیں اور نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی موبائل فون پر پیغامات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔میں ضو کو بھی پہلے کی طرح وقت نہیں دے پا رہا تھا۔لیکن ضو ایسی لڑکی تھی کہ اپنے لیے زبردستی وقت نکلوا لیتی۔

اور پھر اسی اثناء میں ایک دن میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی، میری سالگرہ قریب تھی۔گو میں کبھی بھی اس غیر اسلامی اور غیر ضروری تہوار کے حق میں نہیں ہوں مگر ضو، امی جان اور چچی جان کے سامنے میری ایک نہیں چلتی تھی......اس مرتبہ بھی ضو دس پندرہ دن پہلے ہی سے سالگرہ تیاریوں میں مشغول ہو گئی تھی۔

اس دن میں یونیورسٹی سے گھر پہنچا تو ضو میرے کمرے میں موجود نہیں تھی۔

''ضو!......ضو!......کہاں مر گئی ہو؟''خواب گاہ خالی دیکھتے ہی میں چلایا، مجھے سخت بھوک لگی تھی۔

''عذرا بیٹی تو کہیں گئی ہوئی ہے بیٹا!......''ممی جان پر شفقت لہجے میں بولتے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوئیں۔''کیا کھانا لے آؤں؟''

''کہاں گئی ہے؟''

''کچھ خریداری کرنی تھی، کالج سے آتے ہی ڈرائیور کو ساتھ لے کر مارکیٹ بھاگ گئی ہے، تمھیں پتا ہے نا تمھاری سالگرہ آنے والی ہے اور ان دنوں وہ اسی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔''

''ٹھیک ہے امی جان!......لیکن مجھے سخت بھوک لگی ہے۔''

''وہی تو پوچھا تھا کہ کھانا لے آؤں؟'' وہ شفقت سے مسکرائیں۔

میں مستفسر ہوا۔ ''ضو نے کھا لیا ہے؟''

''بتایا تو ہے، کالج سے آتے ہی خریداری کرنے بھاگ گئی ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے امی جان!...... اسے واپس آنے دو جب تک میں فریش ہو جاتا ہوں، ہم اکٹھے ہی کھا لیں گے۔''

''چلو جیسے تمھاری مرضی بیٹا!...... لیکن دو تین منٹ میرے لیے بھی نکالو؟ ایک ضروری بات کرنی ہے؟''

''جی؟ حکم امی جان!'' میں سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

''بیٹا!...... اب عذرا بیٹی اور تم جوان ہو گئے ہو۔ تمھارے ابو اور چچا کا ارادہ ہے کہ اس دفعہ تمھاری سالگرہ اور تم دونوں کی منگنی کی تقریب اکٹھی منعقد کی جائے۔''

''مم...... منگنی...... ہاں جی!...... ہم دونوں کی...... مگر کس سے؟''

امی جان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''پاگل نہ ہو تو، آپس میں بیٹا اور کس سے؟''

''ہم دونوں؟...... مم...... مگر امی جان!'' میرے چہرے پر بارہ بجنے لگے تھے۔

''اچھا زیادہ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں؟ مجھے پتا ہے، من میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں جناب کے۔'' امی جان نے مجھے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔ اور پھر وہ آہستہ سے میرا کان مروڑتے ہوئے کمرے سے رخصت ہو گئیں، مگر مجھے سوچوں کے جس گرداب کے حوالے کر گئیں وہ اس سے بے خبر تھیں۔ میں نے کبھی ضو کے متعلق اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے رخشی کا اشکوں بھرا چہرہ لہرانے لگا۔ ضو کی واپسی تک میں اسی طرح سوچوں میں ڈوبا رہا اور فریش ہونے کے لیے واش روم تک بھی نہیں جا سکا تھا۔

''راجو!...... دیکھو تو؟ میں نے تمھارے لیے کتنا پیارا سوٹ خریدا ہے؟'' ضو خوشی سے چہکتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی مگر میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''اے راجو!...... خیر تو ہے نا؟...... بوتھا کیوں پھلا رکھا ہے؟'' وہ ایسی ہی تھی۔ میرے موڈ کا اندازہ لگانا اس کے لیے بہت آسان تھا۔

میں نے مری مری آواز میں کہا۔ ''ضوا ہم بہت بڑی پرابلم میں پھنس گئے ہیں؟''

''یا اللہ خیر؟'' اس نے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے شاپر کارپٹ پر پھینکے اور میرا ہاتھ تھامتے ہوئے سامنے بیٹھ گئی۔ میں ہونٹ چباتا ہوا، اس کے شاپنگ کیے ہوئے سامان کو گھورتا رہا۔

''اب کچھ پھوٹو گے بھی کہ یونہی ٹینشن میں مبتلا رکھو گے؟''

چند سیکنڈ سے زیادہ صبر کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ''ماں جی بتا رہی تھیں کہ، اس دفعہ میری سالگرہ اور ہماری منگنی کی تقریب اکٹھے Celebrate کی جائے گی؟''

''ہماری منگنی مطلب......؟''

میں قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔ ''مطلب واضح ہے ضوا...... تمھاری اور میری منگنی۔''

اس کے چہرے پر ہویدا پریشانی کے آثار معدوم ہوئے اور اس نے گہرا سانس لے کر پوچھا...... ''تو؟''

میں جھلا کر بولا۔ ''تو کیا یہ چھوٹی بات ہے؟''

''پتا نہیں؟'' وہ بے پرواہی سے بولی۔ ''مگر یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے کہ تم یوں پریشان ہو جاؤ۔''

''شاید تمھارے لیے نہ ہو کہ، تم کسی سے محبت نہیں کرتیں......؟''

اس کے چہرے پر اذیت بھرے اثرات ظاہر ہوئے اور وہ۔ ''صحیح کہا۔'' کہتے ہوئے شاپنگ والا سامان اٹھا کر الماری میں رکھنے لگی۔ سامان الماری میں رکھ کر وہ باہر چل دی۔

''ضو کہاں چل دیں؟'' میرے لہجے میں حیرانی تھی۔ ''یار! حد ہوتی ہے بے پرواہی کی بھی؟''

وہ واپس مڑی۔ ''کیسی بے پرواہی؟''

''یہ بے پرواہی نہیں تو کیا ہے؟ معلوم ہے مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ محترمہ!...... میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ میں رخشی کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ کیسے اس کا سامنا کر پاؤں گا؟ اور پتا ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ اگر وہ مجھے نہیں ملی تو شاید میں زندہ بھی نہ رہ پاؤں؟

''تو میں کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ روہانسی ہو کر دوبارہ بیٹھ گئی۔

''تسلی، دلاسا تو دے ہی سکتی ہو نا؟''

”کیا فائدہ؟“

”اچھا فائدہ نقصان کو چھوڑو اور میرا ایک کام کرو۔“ میرے لہجے میں التجا کا عنصر نمایاں تھا۔

”جی؟“ اس کی سوالیہ نظریں میری جانب اٹھیں۔

”ایسا کرو کہ تم امی جان کو جا کر بتا دو، کہ تم مجھ سے منگنی نہیں کرنا چاہتیں۔“

”کیا......کیا......کیا......؟“ اس نے آنکھیں نکالیں۔ ”خود پھوٹو، نا جا کر؟ یہ کام لڑکیوں کے کرنے کے نہیں ہوتے؟“

”دیکھو ضو!......امی جان تمھیں بہت چاہتی ہیں اور ناممکن کہ وہ تمھاری کوئی بات ٹال جائیں؟“

وہ طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگی۔ ”اور تم سے نفرت کرتی ہیں وہ۔ ہیں نا؟“

”اگر یہ کہہ دیا تو سچ مچ نفرت کرنے لگیں گی۔“

”تو تم میری امی جان کے پاس جا کر انکار کر دو۔“ اس نے مشورہ دیا۔

میں نے منہ بنایا۔ ”بات تو ایک ہی ہے نا؟“

”دیکھو راجو!......اس معاملے میں، میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتی، رئیلی سوری۔“

”ضو!......میری طرف دیکھو۔“ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

اس نے اپنی موٹی موٹی شہد انگیں آنکھیں میری جانب گھمائیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہاں کہیں دور گہرائی میں پانی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موج زن ہے۔ شاید اس کے لیے بھی ہماری منگنی کی خبر دھچکے کا باعث بنی تھی۔ مگر عورت ذات ہونے کی وجہ سے وہ اپنا شدید ردِعمل ظاہر نہیں کر پا رہی تھی۔

”ضو!......پلیز میری خاطر۔“

”آخر تم خود کیوں نہیں بات کرتے؟“ وہ چڑ سی گئی تھی۔

”تم چھوٹی ہونے کی وجہ سے لاڈلی ہو اور پھر لڑکی ہونے کی وجہ سے بھی تمام کی ہمدردیاں تمھارے ساتھ ہوں گی اس لیے......“

اس نے قطع کلامی کی۔ ”اور تم چاہتے ہو کہ وہ ہمدردیاں میرے ساتھ باقی نہ رہیں؟“

مجھے اچانک غصہ آیا اور میں نے دوٹوک لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے کہنا ہے کہ نہیں؟''

''نہیں......نہیں......نہیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر کھڑی ہو کر دروازے کی جانب چل دی۔ اس مرتبہ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دروازے کے قریب جا کر وہ رکی۔ پیچھے مڑے بغیر وہ کچھ دیر رکی رہی، پھر اچانک اس کی گلوگیر آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''ٹھیک ہے راجو!......میں چچی جان کو کو کہہ دوں گی۔''

اتنا کہہ کر اس نے رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ میری ماں کے سامنے اپنی ساکھ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر میری ضد نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ مجھے خفا کرنے کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

''شکریہ ضوا......'' میں خوشی سے چہکا۔ مگر وہ میرا جواب سننے کے لیے رکی نہیں تھی۔

ساری پریشانی ضو کے حوالے کر کے میں بے فکر ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

شام کے وقت جب میں کرکٹ کھیل کے سٹیڈیم سے لوٹا تو چچا جان کے بیڈروم کے سامنے سے گزرتے ہوئے چچی جان کی بلند آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا۔ منع کیا تھا نا؟ کہ بس میٹرک تک پڑھالیا بہت ہے، لیکن میری سنتا کون ہے اس گھر میں؟'' وہ شاید چچا جان سے مخاطب تھیں۔ یقیناً ضو نے بات چھیڑ دی تھی۔

جواباً چچا جان نے جانے کیا کہا کہ ایک بار پھر چچی جان کی بلند بانگ آواز میری سماعتوں میں گونجی۔

''راجو ایسا بچہ نہیں ہے۔ تیری لاڈلی کے نخرے ہی ختم ہونے میں نہیں آتے۔'' بلاشبہ، شادی سے انکار کر کے ، ضو تختۂ مشق بننے والی تھی۔ مگر اتنا خود غرض میں بھی نہیں تھا کہ اسے اکیلا چھوڑ دیتا۔ اس کا ساتھ دینا اس لیے بھی ضروری تھا کہ تمام کے طعنوں اور کوسنوں سے تنگ آ کر وہ اپنی آمادگی بھی ظاہر کر سکتی تھی۔ اور اس شادی سے پہلو تہی میری ضرورت تھی، نہ کہ اس کی؟۔ میرے قدم چچی جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

''میں اندر آ سکتا ہوں؟'' میں نے دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹایا۔

”آ و بیٹا؟“ چچی جان کی پرشفقت آواز سن کر میں اندر داخل ہو گیا۔

ضو ڈبل بیڈ کے ساتھ پڑی لکڑی کی منقش کرسی پر سر جھکائے بیٹھی تھی، چچا جان بیڈ پر، سرہانے سے ٹیک لگائے لیٹے تھے، جبکہ چچی جان لال بھبو کا کمرے کے وسط میں کھڑی تھیں۔

”چچی جان!......معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کی پوری باتیں سن لی ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت جو بھی گھر میں موجود ہے اس نے سنی ہوں گی۔“

”بیٹا!......اس نے بکواس ہی ایسی کی ہے کہ تم سنو گے تو شاید ساری زندگی اس سے بات بھی نہ کرو۔“

”کہا نا؟ میں نے سن لی ہے چچی جان!......اور میں اس کے حق میں ہوں۔ شادی ایسا بندھن ہے کہ کسی ایک فریق کے نہ چاہنے سے قایم نہیں کیا جا سکتا۔ زبردستی کی شادی خاندان کے خاندان تباہ کر دیا کرتی ہے اور میں ضو سے بالکل خفا نہیں ہوں اور آپ کو بھی یہی عرض کرتا ہوں، ہمارا رشتا اتنا کچا نہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر اس میں دراڑیں پڑ جائیں۔ اور یقیناً ابھی آپ دیکھیں گی کہ میں ضو کا خیال پہلے سے بھی زیادہ رکھوں گا۔ آپ بالکل ٹینشن نہ لیں۔“

”مگر بیٹا......؟“ چچی جان کے چہرے پر نظر آنے والی پریشانی مصنوعی نہیں تھی، میں جانتا تھا کہ وہ ضو سے زیادہ مجھے چاہتی ہے، اسی طرح امی جان مجھ سے زیادہ ضو پر جان دیتی تھیں۔

”کوئی اگر مگر نہیں......“ میں نے چچی جان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کا ماتھا چوم لیا۔ وہ مجھے امی جان کی طرح ہی پیاری تھیں۔......انھیں یوں دھوکا دینے پر میرا اپنا دل بھی خفا تھا، مگر کیا کرتا کہ زخشی میری کمزوری تھی۔

ضو نے کن انکھیوں سے میری جانب دیکھا اور میں نے ایک آنکھ میچ کر دانت نکال دیے۔ وہ دوبارہ نیچے دیکھنے لگی۔

”بچے ٹھیک کہہ رہے ہیں جی!“ چچا جان نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”بھائی جان سے میں خود بات کر لوں گا اور عذرا بٹیا نے انکار تو نہیں کیا نا؟ وہ تو بس فی الحال اس منگنی کو موخر کرنا چاہتی ہے، ہو سکتا ہے بعد میں راضی ہو جائے؟“

”سارے گھر والوں نے اس لاڈلی کی تائید ہی کرنی ہے۔“ کہتے ہوئے چچی جان باہر نکل گئیں۔

''ضو!......اگر فارغ ہو تو چلو تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے؟'' چچی جان کے کمرے سے نکلتے ہی چچا جان تپائی پر پڑی کتاب اٹھا کر مطالعے میں مصروف ہو گئے تھے۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے میں نے ضو کو رفو چکر ہونے کا اشارا کیا۔

''جی مہربانی!......میں نے ہوم ورک کرنا ہے۔'' وہ قہر آلود نگاہ مجھ پر ڈالتے ہوئے کمرے سے نکل گئی ۔آخر کو سارا کیا دھرا میرا تھا اور اتنا غصہ کرنا اس کا حق بنتا تھا۔

☆......☆......☆

رات کے کھانے کے بعد بھی وہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ مجبوراً مجھے ہی اس کے کمرے میں جانا پڑا۔ اس کی خواب گاہ کی دیواریں میری تصاویر سے مزین تھیں۔ کہیں میں کرکٹ ٹرافی پکڑے کھڑا تھا تو کہیں انعام وصول کر رہا تھا۔ اسی طرح میری بچپن کی وہ تصاویر جن میں، میں امی جان یا چچی جان کی گود میں لیٹا ہوا تھا ۔کئی تصویروں میں ہم اکٹھے نظر آ رہے تھے۔ان میں میرے اور اس کے اپنے والدین کی تصاویر بھی شامل تھیں ،مگر زیادہ تعداد میری تصاویر کی تھی۔ بچپن سے لے کر آج تک سال بہ سال میری ہر سال گرہ کی بائیس تصاویر بھی ایک لائن میں لگی ہوئی تھیں۔اس کے برعکس میرے کمرے میں اس کی صرف دو تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ایک تصویر اس کے بچپن کی تھی جب میں نے اسے گود میں اٹھایا ہوا تھا اور دوسری تصویر تقریری مقابلے میں فرسٹ پوزیشن کی ٹرافی وصول کرتے کھینچی گئی تھی۔

''دیکھو جی!......آج ما بدولت خود ہی کنیز کے لیے کافی بنا کر لائے ہیں۔'' کافی کے کپ تپائی پر رکھتے ہوئے میں مزاحیہ انداز میں بولا۔

''راجو!......خوشامد کی ضرورت نہیں، ٹھیک ہے نا؟ اور ابھی میں نے سونا ہے۔آپ برائے مہربانی یہ کافی واپس لے جائیں۔''

''ضو!......کیا ہے یار؟ چچی جان نے کون سی گولی ماردی ہے تمھیں۔جو موڈ اتنا خراب کیا ہوا ہے؟''

''وہ میرے ساتھ بات ہی نہیں کر رہی ہیں اور کیا گولی لگنے کی تکلیف اس سے زیادہ ہوتی ہے؟''

''تو میں نے تمھاری طرف داری کی تو تھی؟......اس کے علاوہ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔یوں بھی چند دن تک

یہ بات آئی گئی ہو جائے گی۔"

"تم نے میری نہیں، اپنی طرف داری کی تھی۔ اور یہ تمھاری بھول ہے کہ یہ بات آئی گئی ہو جائے گی۔ یہ طعنہ مجھے ساری عمر سننا پڑے گا؟ تمھیں تو سب معصوم سمجھیں گے۔"

"مطلب...... اب مجھے اس بات کے طعنے ملیں گے، کہ تم نے میرے لیے قربانی دی ہے نا؟" اسے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کے لیے مجھے سنجیدہ ہونا پڑا۔

وہ ایک دم سنبھلتے ہوئے بولی۔ "ایسا میں نے کب کہا؟ تم ہر بات کا الٹ مطلب لیتے ہو؟"

"تو اس بات کا مطلب کیا بنتا ہے؟ وضاحت کرنا پسند کرو گی تم؟"

"اوکے اوکے سوری، میں ذرا جذباتی ہو گئی تھی۔" میرا موڈ دیکھتے ہی اس نے ایک دم سوری کہنا شروع کر دیا۔ چونکہ غلطی میری اپنی تھی اس لیے میں نے فی الفور صلح کر لی۔

"یہ لو کافی پیو۔" میں نے کافی کا مگ اس کی جانب بڑھایا۔

وہ مگ تھامتے ہوئے بولی۔ "راجو!...... امی جان سچ میں بہت زیادہ خفا ہیں؟"

"مائیں کبھی ناراض نہیں ہوا کرتیں پگلی۔"

"یہ فلسفہ اپنے پاس رکھو۔" اس نے منہ بنایا۔

"اچھا دو ماہ صبر کرو، اس کے بعد یہ جھگڑا ہی نہیں رہے گا۔"

"بھلا وہ کیسے؟"

"بتانا ضروری ہے؟"

"نہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "بلکہ بہت ضروری ہے۔"

"دیکھو امتحان کے بعد میں امی جان سے بات کروں گا کہ وہ رشتا لے کر رخشی کے گھر چلی جائیں اور میری شادی کے بعد؟" میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "ٹائیں ٹائیں فش۔"

وہ آہستہ سے بولی۔ "صحیح کہا...... اچھا مجھے نیند آئی ہے۔"

"شاید تمھیں خوشی نہیں ہوئی؟"

”نہیں، بہت خوش ہوں۔“ کہہ کر اس نے کمبل اپنے اوپر لے لیا۔

”خیر اتنی جلدی تجھے سونے تو نہیں دوں گا؟“ میں نے کمبل اس کے اوپر سے کھینچ کر نیچے قالین پر پھینک دیا

”راجو!......کیا ہے یار؟“ وہ روہانسی ہونے لگی۔ وہ مجھے سچ مچ سخت اپ سٹ لگ رہی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے تمھیں؟“ میں نے اس کی ناک پکڑ کر مروڑی۔

”بتایا تو ہے مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”اچھا سو جاؤ۔“ میں نے کمبل اٹھا کر دوبارہ اس پر پھینکا اور باہر جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے آواز دے کر روک لے گی، مگر وہ خاموش رہی۔ میں نے دروازے کے قریب رکتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ کمبل میں روپوش ہو چکی تھی۔ ایک دم مجھے غصہ آ گیا۔ اس نے سخت بے ہودگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے۔ یقیناً وہ میری موجودگی سے بھی واقف تھی۔ میں چند لمحے وہیں کھڑا اسے گھورتا رہا۔ اور پھر سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

صبح کی نماز کے بعد وہ میرے لیے خود ناشتا لایا کرتی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ ہم دونوں میں اگر کوئی ناراضی ہوتی ،تب بھی اس کے اس معمول میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

اس دن بھی حسب معمول وہ مخصوص وقت پر ناشتے کی ٹرے اٹھائے میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے سلام کا جواب دے کر میں خاموشی سے ناشتا کرنے لگا۔ رات والی بات نہ چاہتے ہوئے بھی میری سوچوں میں سرگرداں تھی۔ خلاف توقع وہ بھی خاموش خاموش سی تھی۔

دونوں نے خاموشی سے ناشتا کیا۔ برتن سمیٹتے ہوے اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”کوئی اور چیز چاہیے؟“

میں نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ بھی مزید کچھ بولے باہر نکل گئی۔

کالج سے واپسی پر دن کا کھانا اس نے میرے ساتھ ہی کھایا۔ لیکن بات چیت سے گریز کیا۔ اپنے معمول کے مطابق رات کو ڈنر کے بعد وہ دوبارہ میرے کمرے میں آئی اور خاموشی سے بیڈ کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئی

۔میں اس سے بات کیے بنا کمبل میں ہو گیا۔

اس نے آہستہ سے پوچھا۔"شاید تم سونے لگے ہو؟"

"جی۔" میں مختصراً بولا۔

"اوکے، آرام کرو۔" وہ اٹھ کر جانے لگی۔اس کا رویہ اس بات کا غماز تھا کہ اس نے اپنی ماں کی خفگی کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔

"ضو!......بات سنو۔" وہ بہ مشکل دروازے تک پہنچ پائی تھی کہ میں نے اسے آواز دی۔

"جی؟" وہ رک کر پیچھے مڑی۔

"ادھر آؤ۔" میں تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

وہ دوبارہ کرسی پر آن بیٹھی۔

"خفا ہو؟"

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلا کر دیوار پر لگی تصاویر کو گھورنے لگی۔

میں اسے سمجھانے لگا۔"یار!......مائیں بھی کبھی اولاد سے خفا رہی ہیں؟ آج نہیں تو دو تین دن بعد دیکھ لینا ان کا موڈ بحال ہو جائے گا۔"

اس نے اپنی موٹی موٹی شہد رنگیں آنکھیں میرے جانب گھمائیں، جن میں ہزاروں لاکھوں شکوے جھلک رہے تھے۔

"راجو!......چھوڑو اس موضوع کو، کوئی اور بات کرو۔"

"جب تک تیرا موڈ ٹھیک نہیں ہوتا میں کیسے کوئی اور بات کر سکتا ہوں؟"

"ٹھیک ہی تو ہے۔کیا ہوا میرے موڈ کو؟"

"ضو!......میں مانتا ہوں کہ یہ میرا کام ہے، مگر تم جانتی ہو کہ رخشی کی میری زندگی میں کیا اہمیت ہے؟ تو نے ہمیشہ میرے لیے قربانی دی ہے۔ایک احسان اور سہی، اگر اس کے بعد بھی تمھارے ذہن میں کوئی اندیشہ ہے تو چلو صبح سارا الزام میں اپنے سر لے لوں گا، اب خوش؟"

''راجو!......فیصل ندیم فیصل لکھتا ہے......

اب سمجھ آئے ہیں اسباب جدائی کے مجھے

بات کچھ اور تھی میں اور سمجھ بیٹھا تھا

''اسی شعر میں اگر میں تھوڑی ردّ و بدل کرلوں کہ......

کب سمجھ پاؤ گے اسباب میری وحشت کے

بات کچھ اور ہے تم اور سمجھ بیٹھے ہو؟

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں؟'' میرے لہجے میں حیرانی تھی۔

''ہر بات سمجھائی نہیں جا سکتی۔ بہر حال میں خفا نہیں ہوں اور تمھیں بھی ضرورت نہیں ہے اعتراف جرم کی۔''

''اچھا میری سالگرہ کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟'' اس کا ذہن بٹانے کی خاطر میں نے موضوع بدلنا مناسب سمجھا۔

''مکمل ہیں، بس مہمانوں کی لسٹ رہتی ہے وہ اکٹھے بیٹھ کر تیار کریں گے۔''

''پچھلے سال والی لسٹ میں رخشی کے نام کا اضافہ کردو اور بس۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

وہ ہنسی۔''اور رضیہ کا نام نکال دوں ہے نا؟''

''نہیں رہنے دو، یوں بھی اس نے کون سا آجانا ہے؟''

''پہلے تو پرانی والی کا نام مدعو افراد کی لسٹ سے نکال دیا کرتے تھے؟''

''اس وقت کوئی اور بات تھی، بلکہ تم ایسا کرو پہلے والی تمام کا نام اس فہرست میں شامل کردو، تاکہ انھیں بھی پتا چل جائے، کہ میری ہونے والی دلہن کیسی ہے؟''

پتا کیا چلنا ہے، انھوں نے آنا ہی نہیں ہے؟''

''اچھا میرے لیے کوئی ڈھنگ کا لباس خریدا ہے یا پہلے کی طرح جھک ہی مارتی رہی ہو؟''

''راجو صاحب!......اگر تمھیں لباس کی پہچان ہوتی تو مجھے مارکیٹ میں خوار ہونے کی ضرورت نہ پڑتی؟ یاد ہے نا ایک مرتبہ تو نے شرٹ خریدی تھی......؟''

''یہ ہاتھ دیکھ رہی ہو؟'' میں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کے سامنے باندھ دیے۔ ''اب خدارا اس شرٹ کو بخش دو؟ وہ کاری گر بھی شاید اس جہان فانی سے کوچ کر گیا ہو؟ مگر اس کی سلائی کی ہوئی شرٹ کی نحوست اب تک میرے گلے کا ہار بنی ہوئی ہے۔ وہ شرٹ جس کے پہننے کی توفیق میرے نصیب ہی میں نہیں تھی؟''

وہ کھل کھلا کر ہنس دی۔

''ہی ہی ہی......کی ضرورت نہیں۔''

''اچھا ٹھہرو، میں تمھیں دکھاتی ہوں کہ کیا کیا خریدا ہے۔'' وہ الماری کی طرف بڑھ گئی۔

کریم کلر کا سوٹ، اسی رنگ کی جرابیں، کالے شوز، وہ ایک ایک چیز مجھے دکھانے لگی......

''یار!......عورتوں کو جو میچنگ کی بیماری ہوتی ہے نا؟'' میں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ''بس اللہ ہی معاف کرے۔''

اس نے آنکھیں نکالیں۔ ''زیادہ نخروں کی ضرورت نہیں سمجھے؟''

''بڑی آئی غصہ دکھانے والی؟'' میں نے اسے چڑایا۔

''تو دکھاؤں گی نا غصہ۔'' وہ سچ مچ تپ گئی تھی۔

''دکھالو......دکھالو، بس چند ماہ کی بات ہے، جب میری رخشی آجائے گی، پھر دیکھوں گا کیسے رعب جماتی ہو؟''

''دیکھ لوں گی اسے بھی۔''

''اگر اس نے تمھاری پٹائی شروع کردی تو میں نے نہیں چھڑانا، سمجھیں نا؟''

''اس کی مجال کہ، وہ مجھے ہاتھ بھی لگائے؟''

''اچھا یار!...... یہ سامان واپس رکھو الماری میں۔''

''سامان رکھو الماری میں؟'' وہ غصے میں بڑبڑاتے الماری کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

''کل میری سالگرہ کی پارٹی ہے اور تو نے ضرور آنا ہے۔'' ہم اس وقت کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے جب میں نے یہ ذکر چھیڑا۔

”کتنے بجے؟“ چائے کا خالی کپ اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے وہ مستفسر ہوئی۔

”رات آٹھ بجے۔“

”پاپا سے اجازت لینی پڑے گی؟“

”مجھے نہیں پتا۔“ میں منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”تمھیں آنا پڑے گا۔“

”میں پوری کوشش......“

میں قطع کلامی کرتا ہوا بولا۔ ”آنا پڑے گا، آنا پڑے گا۔“

”جدیر!......سمجھنے کی کوشش تو کرو نا؟......اگر پاپا نے منع کر دیا تو؟“

”تم آج یونیورسٹی سے واپسی پر انکل سے پوچھ لینا اگر انھوں نے منع کر دیا تو پھر پارٹی رات کے بجائے دن کو ہو جائے گی مگر تمھاری شمولیت ضروری ہے، نہیں تو طعنے دے دے کر ضو میرا جینا اجیرن کر دے گی۔“

رخشی عجیب سے لہجے میں بولی۔ ”اتنا ڈرتے ہو اس سے؟“

”بات ڈرنے کی نہیں ہے؟ بس میں اس کے سامنے نیچا نہیں ہونا چاہتا۔“

”چلو ٹھیک ہے، میں شام کے وقت تمھیں کال کر کے بتا دوں گی۔“

اور میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے؟“ اپنا پرس سنبھالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور میں سر ہلاتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

رات کے وقت جب رخشی کی کال آئی تو اس وقت ضو میرے کمرے میں ہی تھی۔

”پاپا مان گئے ہیں جی!......“ رخشی نے خوشی سے بھرپور لہجے میں اطلاع دی۔

”شکر ہے۔“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اس نے شرماتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ تو یوں شکر ادا کر رہے ہیں جیسے، میری موجودی کے بغیر سالگرہ کا فنکشن ہی نہ ہو پاتا؟“

”اس میں شبہ ہی کیا ہے؟“

”اچھا......؟“ اس کے لہجے میں ہلکا سا تفاخر در آیا تھا۔

”ہاں نا جان! تیرے بغیر تو اب پوری زندگی ہی پھیکی اور بے مزہ لگنے لگی ہے۔“

وہ آہستہ سے بولی۔ ”مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔“

”جانتا ہوں۔“

”او کے ڈنر کر کے بات کرتی ہوں، خدا حافظ۔“

اور میرا۔ ”میں منتظر ہوں۔“ سن کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

”کس بات پر شکر ادا ہو رہا تھا محترم!“ کال ختم ہوتے ہی ضو پوچھنے لگی۔

”صبح رخشی کہہ رہی تھی کہ، اپنے پاپا کی اجازت کے بغیر اس کا آنا ممکن نہیں ہے۔ اور ابھی وہ مجھے بتا رہی تھی کہ اس کے پاپا نے اجازت دے دی ہے۔“

”راجو!...... سچ مچ وہ تمھیں بہت پیاری لگتی ہے؟“

”ہاں ضو!...... بہت زیادہ۔“

وہ آہستہ سے بولی ”اللہ پاک تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے؟“

میں نے جلدی سے کہا۔ ”آمین۔“ ضو واقعی میرے ساتھ بہت مخلص تھی۔ ہم تھوڑی دیر تک کل کے فنکشن کے بارے تفصیلات طے کرتے رہے اور پھر رخشی کی کال آئی تو وہ سونے چلی گئی۔

☆......☆......☆

چھٹی کے وقت میں نے رخشی کو ساتھ چلنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا۔

”ابھی چلو نا میرے ساتھ؟...... پارٹی ختم ہونے کے بعد چلی جانا۔“

”میں نے ابھی تیاری کرنی ہے جناب!...... نئے کپڑے پہننے ہیں، جیولری وغیرہ پہننی ہے، یونہی کیسے چلی جاؤں تیرے ساتھ؟“

میں شرارت سے بولا۔ ”نئے کپڑے اور جیولری تو پہننے ہی ہیں؟ اگر ساتھ میں ڈھول باجے بھی ہو جائیں؟“

وہ شرمیلی ہنسی کے ساتھ اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔

گھر پہنچا تو ضو زور و شور سے پارٹی کی تیاریوں میں مصروف نظر آئی، وہ اپنی نگرانی میں سارا کام کراتی رہی۔ چھ بجے رخشی اپنے ڈرائیور اور پولیس کے ایک سپاہی باڈی گارڈ کے ساتھ پہنچ گئی۔ آخر کو ایس پی کی بیٹی تھی۔ اسے خوش آمدید کہہ کر میں ڈرائینگ روم میں لے آیا۔ ضو غسل خانے میں تھی۔ میں رخشی کے ساتھ بیٹھا رہا، گلابی غرارے میں وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق نظر آ رہی تھی۔ ضو نے کالے رنگ کا سوٹ پہنا تھا جس پر سفید دھاگے سے کڑھائی کی گئی تھی۔ دوپٹا سلیقے سے سر پر جمائے وہ ہمارے پاس پہنچی اس وقت میں دبے لفظوں میں رخشی کی خوب صورتی کے گن گا رہا تھا۔

''چلیں محترم!...... تیار ہو جائیں۔'' اس نے آتے ہی چٹکی بجا کر مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا اور رخشی سے مصافحہ کرنے لگی۔

''ابھی تک تو کافی وقت پڑا ہے تھوڑی دیر............''

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ ''ساڑھے چھ ہو چکے ہیں اور آٹھ بجے پارٹی شروع ہے۔ یوں بھی تو نے تیاری میں گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگانا ہے۔''

''ایک تو تم سے جان نہیں چھوٹتی۔'' اسے کہتے ہوئے میں رخشی کو مخاطب ہوا۔

''بس میں یوں گیا اور یوں آیا۔''

رخشی کے چہرے پر بھی ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے جسے وہ ہنسی میں چھپا گئی تھی۔

ضو وہیں رخشی کے ساتھ بیٹھ کر گپیں ہانکنے لگی۔ میں باتھ روم میں گھس گیا۔ جلدی جلدی شاور لیا اور تولیہ لپیٹ کر باہر نکلا۔ بیڈ پر نیا سوٹ پریس کیا ہوا رکھا تھا جو لازمی بات ہے ضو نے ہی رکھا تھا۔ سوٹ پہن کر میں نے ٹائی کی تلاش میں نظریں گھمائیں مگر بیڈ پر ٹائی نظر نہ آئی۔

میں نے زور سے پکارا۔ ''ضو کی بچی!...... ٹائی کہاں ہے؟''

''الماری میں دائیں طرف کے ہینگر سے لٹکی ہے نا؟'' اس نے بھی وہیں سے بیٹھے بیٹھے آواز دی تھی۔

''کون سی باندھنی ہے؟'' میں نے الماری کھولی اور ہینگر سے لٹکی درجن بھر ٹائیوں کو دیکھ کر پھر اسے آواز دی۔

”نئی والی۔“

”نئی والی کون سی ہے؟...... مجھے تو ساری ہی نئی لگ رہی ہیں؟“

”میرون کلر کی نئی ہے نا؟“ وہ بھی وہیں سے جواب دیے جا رہی تھی۔

”جرابیں تو بوٹوں میں رکھ دی ہوتیں۔“ خالی بوٹ دیکھ کر میں جھنجلا گیا تھا۔

”بوٹوں میں ہی ہیں، نئے والے بوٹوں میں رکھی ہیں۔“ میں ماتھے پر ہاتھ مار کر شوز ریک کی طرف بڑھ گیا

”ریسٹ واچ پرانی والی ہی پہنے رکھوں؟“

”ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہے نئے والی۔“

گھڑی پہن کر میں نے بال سنوارے اور ٹائی کی ناٹ درست کرتا ہوا ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

ضوابھی تک رخشی کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ رخشی کے چہرے پر مجھے عجیب سے اثرات نظر آئے جنھیں میں کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔

”تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ میں نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”آں...... ہاں...... ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ وہ مجھے سخت الجھی الجھی سی لگی تھی۔

”راجو! آپ دونوں گپ کرو۔ میں ذرا مہمانوں کو خوش آمدید کہہ لوں؟“ ضو اٹھ کر باہر چل دی۔

”رخشی!...... سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟“ میں نے دائیں بائیں دیکھ کر آہستہ سے پوچھا۔ مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ضو، امی جان اور چچی جان ڈرائینگ روم کے دروازے پر کھڑے ہو کر آنے والے خواتین و حضرات کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ ”کچھ بھی تو نہیں۔“

”مگر مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے......؟“ مگر میں بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ میری ماموں زاد شہلا نے قریب آ کر پوچھا۔

”اسلام علیکم جدید بھائی!...... یہ کون ہے؟“

”آؤ شہلا!...... یہ رخشندہ ہے۔“ میں نے کھڑے ہو کر اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا، وہ ضو کی ہم عمر

تھی۔ اسی وقت ماموں جان میرے قریب آئے۔

"کیسے ہو برخوردار؟" اس نے بازو کھول کر مجھے اپنی چھاتی سے لگالیا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ماموں جان!" میں مسرت سے بولا۔

اس کے بعد مجھے رُخشی سے بات کرنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ مہمانوں کی آمدورفت جاری رہی۔ اور پھر میں نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا۔ جب سے ضو پیدا ہوئی تھی میں کیک کاٹ کر سب سے پہلے اسے ہی کھلاتا تھا۔ اسی طرح اپنی سالگرہ پر وہ مجھے کھلاتی تھی۔ جب کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے اپنی نگاہیں رُخشی کی تلاش میں دوڑائیں مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی وقت گھر میں کام کرنے والی مریم بوا ہاتھ میں گفٹ پیک لے کے میرے قریب آئیں۔

"چھوٹے صاب جی!...... یہ پیکٹ وہ خوب صورت سی کُڑی جو گلابی غرارہ پہنے ہوئی تھی۔ وہ دے کے گئی ہے۔ کہہ رہی تھی مجھے جلدی میں جانا پڑ رہا ہے میری طرف سے تم چھوٹے صاب کو دے دینا۔"

میں نے جلدی سے سیل فون نکالا اور اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"جی؟" اس نے پہلی بیل پر کال اٹینڈ کرلی تھی۔

میں شکوہ کناں ہوا۔ "رُخشی!...... کیا بات ہے؟ تم پارٹی کے شروع ہوتے ہی بھاگ گئی ہو؟"

وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "کیونکہ پارٹی میں آنا میری غلطی تھی، جہاں آدمی کی ضرورت نہ ہو وہاں جانا اپنی بے عزتی کرانے کے مترادف ہوتا ہے، جو میں کراچکی ہوں۔"

"ایسی کیا بات ہوگئی ہے؟"

"جدیر صاحب! پلیز دوبارہ رابطہ کرنے کی زحمت نہ کرنا۔ میں تم سے دور ہی بھلی۔ میری بے وقوفی کہ پہلی ٹھوکر سے سبق نہیں سیکھا اور پھر...... خیر اللہ حافظ۔" اس نے اپنی بات پوری کیے بغیر رابطہ منقطع کردیا۔

مجھے پورا فنکشن پھیکا اور بے مزا محسوس ہونے لگا۔ اسی اثنا میں ضو میرے پاس آگئی۔

"رُخشی نظر نہیں آرہی؟" اس نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"وہ چلی گئی ہے واپس۔"

”کیوں؟“اس کی حیرانی میں مجھے خوشی جھلکتی محسوس ہوئی۔

”اس کی مرضی۔“کوشش کے باوجود میں اپنے لہجے میں شامل تلخی نہیں چھپا سکا تھا۔

”طبیعت خراب ہوگئی تھی یا......کوئی ضروری کام یاد آ گیا تھا اسے؟“ضو کا استفسار جاری رہا۔

”محترما!......میں اس کا سیکرٹری نہیں ہوں۔“اسے کہہ کر میں اپنے پھوپی زاد ڈاکٹر جمشید کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسی وقت وہاں پہنچا تھا۔

”سوری جدیر!......مجھے کچھ دیر ہوگئی۔“اس نے گفٹ پیک میری جانب بڑھاتے ہوئے معذرت چاہی۔

میں پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔”کوئی بات نہیں جمشید بھائی!......دیر سویر تو زندگی کا حصہ ہے۔“

”کیسی ہو عذرا!......؟“وہ ضو کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ مسکرائی۔”فٹ اینڈ فائن جمشید بھائی!“

”پڑھائی کیسے جاری ہے؟“وہ ضو سے پوچھنے لگا اور میں وہاں سے کھسک لیا۔

☆......☆......☆

مہمانوں کے جاتے ہی میں اپنے کمرے میں آ گیا۔چند منٹ بعد ضو بھی ملازماؤں سے تحائف کا ڈھیر اٹھوائے وہاں پہنچ گئی تھی۔تمام پیک شدہ تحائف کارپٹ پر ترتیب سے رکھوا کر اس نے ملازماؤں کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور میری طرف متوجہ ہوگئی۔

”اب بتاؤ،رخشی کیوں واپس چلی گئی تھی؟“

”مجھے نہیں پتا۔“میں سخت اپ سیٹ تھا۔

”تو کال کر کے معلوم کرلو؟“

”ضرورت ہی کیا ہے۔“میں نے اسے سچ بتانا مناسب نہ سمجھا۔

”اچھا پتا ہے میں نے تیرے لیے کیا خریدا ہے؟“

میں نے منہ بنایا۔”خریدی ہوگی کوئی بے ہودہ چیز۔“

”راجو!......آج کل تم کچھ بدلتے جا رہے ہو؟“

''نہیں، بلکہ تیری سوچ بدل گئی ہے؟ اور اب پلیز مجھے سونے دو۔'' میں بحث کیے بغیر کمبل میں ہو گیا۔ اور وہ خاموشی سے رخصت ہو گئی۔ یقیناً ہم دونوں کے درمیان وہ پہلے والا خلوص مفقود ہو گیا تھا ورنہ وہ کبھی بھی یوں رخصت نہ ہوتی؟''

☆......☆......☆

''میں بیٹھ سکتا ہوں؟'' رخشی کیفے ٹیریا میں اکیلی بیٹھی تھی۔

اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے ہاتھ میں تھامے کپ سے چائے کی چسکی لینے لگی۔

میں بیٹھ گیا۔ ''کیا بات ہے؟'' میں نے گفتگو کی ابتدا کی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''رخشی! کوئی بات تو ہے کہ تم میری سال گرہ کی محفل کو بیچ میں چھوڑ کر چلی گئیں؟'' میں نے اپنے اندر ابلنے والے غصے کو بڑی مشکل سے کنٹرول کیا تھا۔

''میں اپنی مرضی کی مالک ہوں؟'' اس کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔

''ہر کوئی ہوتا ہے؟......مگر دوسرے کے احساسات کا خیال کرنے کیے بغیر اپنی مرضی چلانا مناسب فعل نہیں ہے؟''

''واہ، کیا کہنے؟......دوسروں کے احساسات؟......چھلنی کہتی ہے کوزے کو تم میں دو سو راخ ہیں۔'' رخشی کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر طنز بھرا تھا۔

''کیا کیا ہے میں نے؟'' میں پھٹ پڑا۔

وہ تیز لہجے میں بولی۔ ''مسٹر جدید!......جب تم اپنا لباس بھی اپنی پیاری کزن کی مدد کے بغیر بدل نہیں کر سکتے؟ ٹائی تک باندھنے کے لیے اس کی مرضی پوچھتے ہو؟ تمھاری ایک ایک چیز کا خیال وہ یوں رکھتی ہے جیسے محبت کرنے والی بیوی؟ پھر مجھ سے محبت کا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ بھلا کیا بات ہوئی؟'' میں حیران ہی تو رہ گیا تھا۔ ''میں نے پہلے دن سے بتا دیا تھا کہ وہ میری ضروریات کا خیال رکھتی ہے اور یہ بھی کہ ہم بچپن سے اکٹھے پلے بڑھے ہیں، پھر اتنی بے تکلفی تو ہوتی ہے؟''

"محترم! وہ تمھاری سگی بہن نہیں ہے کہ یوں ہر کام میں دخیل ہو؟ باقی تمھاری امی جان الحمداللہ زندہ ہیں ،تمھاری دیکھ بھال تو ان کی ذمہ داری ہونی چاہیے نا؟"

"تم خواہ مخواہ شک کر رہی ہو؟"

"نہیں، میں یوں ہی شک نہیں کر رہی۔ بدقسمتی سے کل جب میں آپ کے گھر سے نکل رہی تھی تو اسی وقت رکشے سے اترتی رضیہ مجھے مل گئی۔ غریب تجدید تعلقات کے لیے آئی تھی کہ اسے بھی جناب کا دعوت نامہ ملا تھا ۔مجھے واپس جاتا دیکھ کر وہ میری آمد کا مقصد پوچھنے لگی، اور جب میں نے بتا دیا کہ کس لیے آئی تھی تو وہ میرے ساتھ ہی واپس چل دی۔ میں اسے اپنے گھر لے گئی جہاں اس نے تفصیل سے تمھارے معاشقوں پر روشنی ڈالی، ثمینہ، رانی، سنبل، پنکی، کرن،، وغیرہ جو جناب کی دولت اور شکل وصورت کی ڈسی ہوئی ہیں تمام کے بارے مکمل آگاہی دی، بلکہ دو تین سے تو بات بھی کرا دی۔ اب آپ کیا فرمائیں گے؟"

مجھے چپ لگ۔ اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

"جدید صاحب!......آپ کی چپ ثابت کر رہی ہے کہ آپ کو میری بات کی سمجھ آ گئی ہے؟"

"رخشی!......میں تمھیں چاہتا ہوں۔ گو کافی لڑکیوں سے میرا افیر چلا، مگر یقین مانو وہ وقتی فلرٹ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ جب تک مجھے تم نہ ملیں میں کٹی پتنگ بنا رہا لیکن جب سے تمھیں دیکھا میری چاہتوں کو مرکز مل گیا ،پلیز!......مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"ہونہہ!......میں سب کچھ بھلا سکتی ہوں مگر مجھے وہ منظر نہیں بھولتا جو کل میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا۔ معلوم ہے؟......تم نے جو باتیں اپنے بیڈروم سے کیں، عذرا صاحبہ اس سے دو منٹ پہلے ان کی پیشن گوئی کر چکی تھی۔ اس نے کہا، محترم نہا کر نکلیں گے تو، سوٹ تو پہن لیں گے لیکن جناب کو ٹائی نہیں ملے گی ۔اور وہی ہوا تم نے ٹائی کی بابت پوچھا۔ تمھیں ٹائی کا بتا کر وہ بولی اب یہ ٹائی کے رنگ کے بارے بھی مجھ سے پوچھے گا۔ اور تو نے یہ بھی پوچھا۔ پھر جرابوں گھڑی ہر بات کے بارے اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اور آخر میں اس نے یہ بتایا کہ کیک کاٹ کر تم سب سے پہلے، کس انداز میں اور کتنا بڑا ٹکڑا کس ہاتھ سے اس کے منہ کی طرف بڑھاؤ گے۔ اور جب میں نے اس بات کی بھی تصدیق کر لی تو مجھے اپنا وہاں رہنا بے فائدہ لگا......نہیں

جدیر انہیں، نہ خود دھوکے میں رہو اور نہ مجھے ہی غلط فہمی میں مبتلا رکھو۔“

”رخشی!......یقین مانو ایسا کچھ نہیں ہے؟“ اپنے الفاظ مجھے خود بھی بہت کھوکھلے اور بے اعتبار سے لگے تھے

وہ تلخی سے ہنسی۔ ”کسر نفسی ہے جناب کی؟“

”اس کا مداوا ہو سکتا ہے کسی طرح؟“ میں نے بے بسی سے پوچھا۔

”یہی ایک صورت ہے کہ میری آنکھیں اس منحوس کا چہرہ تیرے قریب نہ دیکھیں۔“ رخشی کے لہجے میں ضو کے لیے خوب زہر بھرا ہوا تھا۔

”دیکھو رخشی!......کوئی ایسی بات کرو جو ممکن ہو؟“

”ہونہہ!......واقعی یہ ناممکن ہے۔“ اس نے طنزیہ ہنکارا ابھرا اور اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چل دی۔

میں وہیں بیٹھے اسے تکتا رہا۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں چاہے جتنی کوشش کر لیتا، ضو سے پیچھا چھڑانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ میں اس سے قطع تعلق تو ضرور کر سکتا تھا، مگر گھر تو میرا نہیں تھا کہ اسے بے دخل کر دیتا۔

☆......☆......☆

میں اسی وقت گھر واپس آ کر لیٹ گیا۔ رخشی نے مجھے عجیب امتحان میں ڈال دیا تھا اور یہ ساری کارستانی ضو کی تھی۔ میں جتنا اس معاملے میں غور کرتا گیا اتنی زیادہ ہی مجھے ضو قصور وار نظر آئی۔ اسے کیا ضرورت تھی رخشی کے سامنے شیخیاں بگھارنے کی۔ وہ میری ہر عادت، ہر خصلت سے واقف سہی مگر کیا ضروری تھا کہ وہ یہ معلومات میری ہونے والی بیوی سے بھی شیئر کرتی رہتی۔ اسی کی وجہ ہی سے میری پہلے والی تمام محبوبائیں خفا ہوئی تھیں۔ ان تمام سے بچھڑنا میں ہنسی خوشی برداشت کر گیا تھا، مگر رخشی کے متعلق میں سنجیدہ تھا۔ میں کافی دیر انھی خیالات میں کھویا رہا یہاں تک کہ وہ کالج سے واپس آ گئی۔

”ہائے راجو!......آج چھٹی کر لی تھی؟“ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ چہکی۔ اس کا خوشی سے بھرپور لہجہ سن کر میرا خون کھولنے لگا تھا۔

”خیر تو ہے؟ پریشان دکھ رہے ہو؟“ وہ میرے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' سرد مہری سے کہتے ہوئے میں نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے پکڑ کر اپنے سر سے ہٹا دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ چند لمحے وہ ششدر بیٹھی رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔

''میرا قصور؟''

''قصور تمھارا نہیں میرا ہے؟'' میں نے اپنے اندر جمع ہونے والے زہر کو الفاظ کی شکل میں ڈھالا۔'' میں نے تمھیں اتنا سر پر چڑھا لیا کہ آج کوئی لڑکی میری شریک حیات بننے کے لیے تیار نہیں؟''

''غلط فہمی ہے تمھاری...... کسی کو پرپوز کر کے تو دیکھو؟''

''ہونہہ!...... پرپوز؟...... آج رخشی نے بھی مجھے دھتکار دیا ہے۔ وہ بھی یہی سمجھتی ہے کہ میں اسے الو بنا رہا ہوں، آخر کیا ضرورت تھی اس کے سامنے میری نفسیات کا ماہر بننے کی؟''

''راجو!...... میں نے ایسا اسے کیا کہہ دیا ہے؟ تمھارے لیے اس دن میں خود اس کے پاس معافی مانگنے گئی تھی۔ اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اس کے بعد بھی وہ خفا ہے تو بھاڑ میں جائے، وہ نہ سہی تجھے اور کئی مل جائیں گی۔''

میں ترکی بہ ترکی بولا۔''تم کیوں نہ بھاڑ میں جاؤ؟''

''شٹ اپ یار!...... موڈ خراب مت کرو۔''

''مس عذرا! پلیز آپ تشریف لے جائیں اور مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں۔''

''عذرا......؟'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی بار میں نے اسے عذرا کہا تھا۔ ورنہ کہنا کیا؟ میں اسے سوچتا بھی ضو تھا۔''

میں نے اس کے استفسار کا جواب دیے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے خود اسے عذرا کہنا اچھا نہیں لگا تھا مگر غصے کے اظہار کا مجھے اور کوئی طریقہ نہ سوجھا۔

چند لمحے وہ یونہی بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر مرے مرے قدم لیتی میری خواب گاہ سے نکل گئی۔ مجھے عجیب سی بے چینی محسوس ہوئی جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ مگر میں نے اسے روکنے یا منانے کی کوشش نہ کی اور یونہی خاموش پڑا رہا۔

دن کا کھانا میں نے نہیں کھایا تھا اور یقیناً وہ بھی نہیں کھا سکی تھی، رات کو ڈائننگ ٹیبل پر ہمارا سامنا ہوا، ہم

دونوں خاموش خاموش سے تھے، والدین نے لازماً ہماری خاموشی کو نوٹ کیا ہوگا لیکن انھوں نے ہمیں جتلایا نہیں۔ یوں بھی یہ خاموشی ان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ البتہ میرا وجدان کہہ رہا تھا کہ یہ خامشی بالکل نئی اور انوکھی ہے۔ دن کو کھانا نہ کھانے کے باوجود میں صحیح طریقے سے نہ کھا سکا۔ یہی حال ضو کا بھی تھا۔ چند لقمے زہر مار کرنے کے بعد وہ بھی سویٹ باول لے کے بیٹھ گئی۔ جبکہ میں سیب چھیلنے لگا۔

''چچا جان اور ابو جان کسی کاروباری مسئلے پر مصروف گفتگو تھے، گاہے گاہے امی جان اور چچی جان بھی انھیں لقمہ دینے لگتیں۔ وہ جیسے ہی کھانا کھا کر اٹھے ہم دونوں اپنی اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئے تھے۔

اگلی صبح میں نماز کے بعد ٹریک سوٹ پہن کر پارک میں چلا گیا اور جان بوجھ کر دیر سے لوٹا تاکہ وہ کالج نکل جائے۔ واپسی پر کچن کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے ملازما کو ناشتا لانے کا کہہ دیا۔

وہ حیرانی سے ''جی چھوٹے صاحب!'' کہہ کر رہ گئی تھی۔ کیونکہ زندگی میں پہلی بار میں نے اسے ناشتے کے بارے کہا تھا۔

خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے وہ مجھے کالج کی یونیفارم میں اپنی منتظر نظر آئی۔ نصاب کی کوئی کتاب کھولے وہ مطالعے میں مصروف تھی۔

''تم کالج کیوں نہیں گئیں؟'' میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

وہ اپنے گول چہرے سے میری جانب متوجہ ہوئی، اس کی شہد آنگیں آنکھوں میں اداسی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موج زن تھا۔

''آئی ایم سوری جدیر!...... واقعی میری وجہ سے آپ کی زندگی متاثر ہوئی، مگر بہ خدا میں نے جو کچھ کیا جان بوجھ کے نہیں کیا۔ اب آپ کو میری وجہ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' میں ایک دم تم سے آپ کے درجے پر ترقی پا گیا تھا۔ اس کا جدیر کہنا بھی مجھے بہت برا لگا، مگر ہمارے تعلقات ایک دم اس نہج پر آ گئے تھے کہ اعتراض کی گنجائش ختم ہو گئی تھی۔

''اٹس اوکے۔'' میں سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اچھا خفا نہ ہو؟ میں رنجشی کو منا لوں گی۔''

میں ہونٹ چباتا ہوا بولا۔ ”اس کی ایک ہی شرط ہے کہ آپ اس گھر سے بھی دور چلی جائیں جو یقیناً ناممکن ہے۔“

وہ چند لمحے خاموش بیٹھی رہی اور پھر پوچھنے لگی۔ ”ناشتا لاؤں؟“

میں اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ ”ملازما کو بتا آیا ہوں؟“

اس نے شاکی نظروں سے مجھے گھورا۔ پلکوں کا پشتا بڑی مشکل سے سیلابی ریلے کو روکے نظر آیا۔ اور پھر شاید پلکوں کی ہمت جواب دے گئی کہ اس نے ایک دم رخ موڑا اور دروازے کی جانب چل دی۔ مجھے محسوس ہوا کوئی میرے دل کو مٹھی میں لے کر دبا رہا ہے۔ وہ میری مخلص دوست اور راز دار تھی مگر اس کی بے وقوفی کی وجہ سے میں اسے خود سے دور کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ملازمہ ناشتا لے کے آئی تو میں اس پر برس پڑا۔

”جب تجھے پتا ہے کہ میں ابلا انڈا نہیں کھاتا پھر انڈا لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور دودھ نہیں میں ملک شیک لیتا ہوں۔ نہیں معلوم تھا تو پوچھ لیتیں مجھ سے۔“

”مم...... معافی چاہتی ہوں چھوٹے مالک!...... آج پہلی مرتبہ آپ کے لیے ناشتا لا رہی ہوں نا؟ آئندہ خیال رہے گا۔“

”اچھا یہ واپس لے جاؤ۔“ میں بمشکل نارمل ہوتا ہوا بولا۔ ”اور فی الحال میرا موڈ نہیں ہے۔ اس لیے ملک شیک بھی لانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

وہ خاموشی سے سر ہلاتے ناشتے کی ٹرے واپس لے گئی۔

میں اس دن کافی لیٹ یونیورسٹی پہنچا۔ مظہر یونیورسٹی کے سبزہ زار میں بیٹھا مونگ پھلی ٹھونگ رہا تھا۔

”اجی راہ گیر صاحب!...... آج تو شاید چھٹی منانے کے موڈ میں ہو؟...... دوپہر ہو رہی ہے اور تم ابھی آنکھیں ملتے یونیورسٹی پہنچ رہے ہو؟“

”بس یار کیا بتاؤں؟ اپنے تو ستارے ہی گردش میں ہیں۔“ میں نے اس کی بغل میں بیٹھ کر اس کے سامنے پڑے کاغذ کے لفافے سے مونگ پھلی کے چند دانے اٹھاتا ہوا بولا۔

”یہ کم بخت ستارے تو رہتے ہی گردش میں ہیں میاں؟“

''صحیح کہا، مگر میرے ستاروں کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز ہو گئی ہے۔''

''شاید رخشی بھابی سے جھگڑا ہو گیا ہے؟''

''آپ علیحدگی کہہ سکتے ہیں۔''میں نے لہجے میں اطمینان پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''وجہ؟''اس کا مختصر سوال، تفصیل کا متقاضی تھا۔

''ضو۔''میں نے تفصیل میں جانے کے بجائے مختصر اور جامع جواب دینا پسند کیا۔

''اف!''وہ سر پکڑتا ہوا بولا۔''عذرا بہن بھی، کیا چیز ہے؟''

''آج تو اس سے بھی ختم کر آیا ہوں۔''میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

وہ حیرانی سے بولا۔''یقیناً میں تمھاری بات سننے میں غلط فہمی کا شکار رہا ہوں''

''نہیں......''میں نے نفی میں سر ہلایا۔''تمھاری سماعتوں نے تمھیں دھوکا نہیں دیا۔''

وہ بے یقینی سے بولا۔''پھر تم غلط بول گئے ہو؟''

''ایسا بھی نہیں ہے۔''میں نے مونگ پھلی کا چھلکا توڑ کر دانہ منہ میں ڈالا۔

اس نے منہ بنایا۔''درجنوں نازنینوں کو خفا کرنے کے بعد؟......حالانکہ یہ کام تمھیں پہلے کر لینا چاہیے تھا۔''

''امید ہے میں رخشی کو منا لوں گا۔''میرے لہجے میں امید کا عنصر نمایاں تھا۔

''کچھ ایسا ہی مجھے بھی لگتا ہے اگر آپ کی عذرا والی بات درست ہے تو؟''

''بالکل درست ہے۔ اور اب میں چلا۔''میں نے دور سے رخشی کو تاڑ لیا تھا، وہ سست قدموں سے کیفے ٹیریا کی جانب جا رہی تھی۔

''اوکے جناب!''اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنا شغل جاری رکھا۔

کیفے ٹیریا میں داخل ہو کر میں نے وسیع ہال میں نگاہ دوڑائی، وہ مجھے اکیلی بیٹھی نظر آئی میں سرعت سے اس کی جانب بڑھا۔

''میں بیٹھ سکتا ہوں؟''

''جی بیٹھیں پلیز۔''کہہ کر وہ خود اٹھی اور باہر کی جانب چل دی۔ میں ہونقوں کی طرح اس کی پشت تکتا رہ

گیا۔وہ راضی ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''چلو بھئی چند دن مزید دیکھ لیتے ہیں۔'' میں خود کلامی کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔میرا سر بھاری بھاری ہو رہا تھا اس لیے میں نے چائے پینا مناسب سمجھا تھا۔

☆......☆......☆

واپسی پر میں کمرے میں گھسا اور رات کا کھانا بھی وہیں منگوایا۔صبح کا ناشتا بھی میرے لیے ملازمہ لے کے آئی۔اگلے دن رات کو ڈائننگ ٹیبل پر ضو سے ملاقات ہوئی۔وہ خاموش خاموش سی تھی۔مجھ سے نظریں ملائے بغیر وہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔مجھے لگا ہمارے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہو گئی ہے۔کھانے کے دوران ہی اچانک چچا جان اس سے مخاطب ہوئے۔

''تو یہ تیرا آخری فیصلہ ہے؟''

''جی ابو جان۔'' وہ اطمینان سے بولی۔''کل جمشید کے گھر والے آرہے ہیں۔''

''یہ کس فیصلے کی بات ہو رہی ہے بھئی؟'' ابو جان نے حیرانی سے پوچھا۔

''آپ کی لاڈلی بھتیجی کی شادی کی۔'' چچی جان نے تلخی سے جواب دیا۔

''ہائیں......عذرا کی شادی اور جمشید سے؟'' امی جان ششدر رہ گئیں تھیں۔ابو جان بھی ہاتھ میں توڑا ہوا نوالا واپس پلیٹ میں رکھ کر اپنی بھاوج یعنی چچی جان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''اتنا بڑا فیصلہ ہم سے پوچھے بغیر؟''

''اپنے بھائی اور بھتیجی سے پوچھیں بھیا!'' چچی جان سخت غصے میں تھیں۔

''چچا جان!......'' ضو، ابو جان سے مخاطب ہوئی۔''ڈاکٹر جمشید اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔پھوپی جان بھی ہمارے اس فیصلے سے بہت خوش ہیں۔''

''مگر ایک دم، جمشید سے کیسے بات چل پڑی، مطلب میں نے تو......؟'' ابو جان کی حیرانی بے جا نہیں تھی۔

''ایک دم نہیں چچا جان!...... پہلے وہ تعلیم کے سلسلے میں مصروف تھے اور ابھی فارغ ہوئے ہیں۔ویسے فون پر کافی عرصے سے ہمارا رابطہ ہے۔''

اس نے صریحاً جھوٹ بولا۔ کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھے ضرور بتاتی۔

''ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمھاری مرضی۔'' ابو جان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بس دو نوالے ہی لیے تھے۔ ابو جان کی طرح امی جان بھی سخت اپ سیٹ نظر آنے لگی تھیں، بلکہ میں جو کب سے اس دن کا انتظار کر رہا تھا، کہ ضو کی تلوار میرے سر سے ہٹے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کچھ غلط ہونے جا رہا ہے۔ میرا دل ناخوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ ابو جان اور امی جان کے ساتھ چچی اور چچا جان بھی ڈائننگ ٹیبل سے واک آؤٹ کر گئے تھے۔

میں اور ضوا کیلے ہوئے تو وہ آہستہ سے بولی۔

''جدیر!...... پچھلے ایک سال سے جمشید مجھے کالیں اور میسج کر رہا ہے۔ سوری کہ میں آپ کو مطلع نہ کر سکی ......اصل میں میں خود پہلے سنجیدہ نہیں تھی۔ مگر کل سارا دن سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اس سے بہتر رشتا شاید مجھے نہ مل پائے۔ اس لیے کل رات ہی میں نے اس سے موبائل فون پر بات کر لی تھی۔ میری وجہ سے جانے اس نے کتنے رشتے ٹھکرا دیے تھے۔ آج سارا دن ہم نے اکٹھے گزارا۔ پھوپھو جان سے بھی بات ہوئی۔ وہ بھی بہت خوش ہیں۔ آپ بس چند دن انتظار کر لیں، جمشید نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے ایک ہفتے میں بیاہ کر لے جائیں گا۔ باقی کی تعلیم میں وہیں مکمل کر لوں گی......'' وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہتی رہی مگر میرے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ ضو جمشید کے ساتھ گھومتی رہی تھی۔ دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا ہوگا؟ پارکوں میں گھومتے رہے ہوں گے؟ قہقہے بکھیرے ہوں گے؟ اس نے ضو کے ہاتھوں کو تھاما ہوگا؟ محبت بھری سرگوشیاں کی ہوں گی؟ ضو شرمائی ہوگی...... میری نگاہوں میں کئی ان دیکھے مناظر گھوم گئے تھے۔

اور پھر ضو کی بات جاری تھی کہ میں ایک جھٹکے سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے کمرہ بالکل خالی خالی سا لگا۔ ٹی وی پر چلنے والی خبروں کا ہنگامہ بھی میرے کمرے کی خاموشی کو دور کرنے میں ناکام نظر آ رہا تھا۔ ضو کسی اور کے ساتھ کیسے گھوم سکتی تھی؟ وہ کسی دوسرے کی بات پر کیسے ہنس سکتی تھی؟ اسے کوئی اور کیسے چھو سکتا تھا؟ وہ تو میری تھی صرف میری۔ میری ذاتی جاگیر۔

مگر یہ کیا ہو گیا تھا؟ ایک ہفتے کے بعد وہ جمشید کی ملازمہ ہو گی؟

''میں نے انڈے نہیں کھانے؟'' جمشید نخرے سے کہے گا اور ضو بڑی چاہت سے اسے ناشتا کرائے گی؟۔

’’اٹھ بھی جائیں ناجی!‘‘ ضو نے جمشید کے اوپر سے کمبل کھینچا میں نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں ۔سامنے دیوار پر ضو کا ہنستا ہوا چہرہ نظر آنے لگا وہ ٹرافی وصول کرتے ہوئے بہت خوش نظر آرہی تھی۔ یقیناً جمشید بھی اسی طرح خوش ہو گا۔ ضو ایک ٹرافی ہی تو تھی۔ میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟ کیا میں شروع ہی سے ضو سے محبت کرتا تھا؟ مگر یہ محبت اب تک کہاں چھپی تھی؟۔

میں خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔’’جب دوسری لڑکیوں سے گپیں ہانکتے تھے، عشق لڑاتے تھے اس وقت ضو کی محبت کہاں غائب تھی؟‘‘

میں خود کو لعنت ملامت کرنے لگا، شاید میں نے سوچا تھا ضو ہمیشہ اسی طرح اس گھر میں رہے گی۔ اس نے کس سے شادی کرنی ہے؟ وہ بھلا کہاں کسی کو پسند کر سکتی ہے؟۔ ہاں’’بات کچھ اور تھی میں اور سمجھ بیٹھا تھا۔‘‘

میں سر تھام کر ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ میرے اندر مسلسل زلزلے اٹھ رہے تھے۔ جانے رخشی کی دوری کا دکھ کہاں جا سویا تھا؟

’’نہیں ایسا نہیں ہو گا ...... میں ایسا نہیں ہونے دوں گا؟‘‘ میں خود کلامی کرتا ہوا اٹھا اور ضو کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اور پھر میں اس کے دروازے ہی پر پہنچا تھا کہ میرے کانوں میں اس کی مدھر آواز گونجی۔

’’بس سونے لگی ہوں نا؟ ...... سارا دن تو اکٹھے گزارا ہے؟‘‘

میں ایک دم رک گیا۔ وہ کسی سے گپیں ہانک رہی تھی۔ مجھے لگا میری سانس رک رہی ہے۔ رخشی میرے سامنے نعمان کے ساتھ بیٹھ کر گپیں ہانکتی رہی تھی مگر مجھے محسوس تک نہیں ہوا تھا۔ آج ضو فون پر بات کر رہی تھی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

وہ ہنسی۔’’نہیں جی نہیں بارہ بجے تک تو میں کبھی نہیں جاگی؟‘‘ وہ خاموش ہو گئی یقیناً جمشید کی بات سن رہی تھی۔’’تب کی تب دیکھی جائے گی؟‘‘

یہ بات کرتے ہوئے بھی وہ شرمائے ہوئے انداز میں ہنسی تھی۔ وقفے کے بعد......

’’بتایا نا......؟ مجھے گیارہ بجے کے بعد جاگنے کی عادت نہیں ہے، یقین مانو راجو کے ساتھ بھی زیادہ سے زیادہ گیارہ بجے تک گپ ہوتی تھی وہ بھی سنڈے نائیٹ کو۔‘‘

تھوڑے وقفے کے بعد وہ پھر بولی۔

''اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے......اور راجو کے ساتھ میں کھیل کے جوان ہوئی ہوں، امی ابو نے اس سے ملنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔ ہاں اب آپ منع کریں گے تو علیحدہ بات ہے۔''

ہلکا سا وقفہ......

''ہاہاہا......کسی سے بھی نہیں ملنے دو گے؟......واہ جی واہ۔ یہ خوب رہی، چلو جیسے تمھاری مرضی ......نہیں ملوں گی کسی کو بھی اور کوئی حکم سرکار کا؟''

مزید سننا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ مجھے اپنے پاؤں پہ کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تھا۔ ایک دن میں وہ اتنا آگے بڑھ گئے تھے۔ مجھے ضو پہ بے تحاشا غصہ آیا مگر پھر غصے کی رو میری اپنی ذات کی طرف بہنے لگی۔ یہ سارا کیا دھرا میرا اپنا تھا۔ میں نے ہمیشہ ضو کو اپنا زر خرید سمجھا تھا۔ کبھی اس کے نازک احساسات کا خیال رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب اسے ایک چاہنے والا مل گیا تھا تو مجھے اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا اس نے بھی تو کبھی میری چاہت پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

''اسے تو مجھ سے محبت نہیں تھی تبھی اس نے کبھی اعتراض نہیں کیا؟'' میرے دل نے ایک بوگس دلیل دی اور میں لرزتا کانپتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ میں بدقت تمام اپنے بیڈ تک پہنچ پایا تھا۔ میری ٹانگیں لرز رہی تھیں ۔ میں اوندھے منہ بیڈ پر گرا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

میرا اثاثہ مجھ سے چھن گیا تھا۔ میری ضو کسی اور کی ہو گئی تھی۔ وہ ضو جس سے میں ہر بات منوانے کی طاقت رکھتا تھا۔ مجھ سے پٹ کر بھی جو میری ضروریات سے غافل نہیں ہوتی تھی۔ سردی گرمی میں میرے لیے کیا ضروری ہے اور کیا ضروری نہیں ہے اس کا خیال وہ امی جان سے بھی زیادہ رکھتی۔ ''ہونہہ! اب وہ ڈاکٹر جمشید کا خیال رکھے گی۔'' میرے سینے میں درد اٹھنے لگا۔

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔'' میرے دماغ میں ضو کے الفاظ گونجے، یقیناً جمشید نے اسے میرے قریب جانے سے روکا تھا اور اب تو یہ حق اسے حاصل ہونے والا تھا۔

''اگر آئندہ تو نے جدیر سے بات کی تو کھال اتار دوں گا۔'' جمشید، مجھے ضو کو ڈانٹتا ہوا نظر آیا۔

میں سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔ اچانک مجھے سردی محسوس ہونے لگی، مگر میں اسی طرح لیٹا رہا۔ عجیب قسم کی نقاہت محسوس ہو رہی تھی جسے میں کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔ جب سردی کا احساس حد سے بڑھ گیا تو میں رینگتا ہوا کمبل کے اندر گھس گیا۔ میری نظر دیوار سے ٹنگی ضو کی تصویر پر پڑی۔ وہ ہنس رہی تھی، ہنستے ہوئے وہ بہت پیاری لگتی، گول چہرہ، شہد اگیں آنکھیں، سمارٹ سڈول بدن، کھلتا ہوا گندمی رنگ، نٹ کھٹ شرارتی۔ میں ضو کو سوچتا گیا۔ ثمینہ، رانی، پنکی، کرن، سنبل، اقدس، رضیہ اور رخشی کا خیال جانے کہاں جا چھپا تھا۔ ضو اور صرف ضو میرے شعور سے لاشعور تک پھیل گئی تھی۔

اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میری آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔ میں کبھی کسی کے لیے نہیں رویا تھا۔ آج اس کے لیے رو رہا تھا جسے جانے کب سے رلاتا آ رہا تھا۔ جب میں اسے اپنے کسی نئے معاشقے کی خبر دیتا تو اس پر بھی یہی بیتتی ہوگی۔

''تو کیا تمھیں لڑکیوں کی کمی ہے؟'' میرے ہر عشق کے خاتمے پر وہ اس فقرے کے ساتھ میرا خیر مقدم کرتی اپنی ذات کو پیش کرتی۔ امید بھری نظروں سے میری جانب گھورتی مگر میرے اندر بھرے احساس برتری نے کبھی اس کی آنکھوں کی التجا کو محسوس نہ کیا۔ کبھی اس کے ہونٹوں کی لرزش پہ غور نہ کیا؟ اس کی منتظر چتون کو اہمیت نہ دی، وہ کشادہ پیشانی کہ جس کو دیکھ کر افق کی لامحدودیت کا احساس ہوا سے قبول نہ کیا۔ وہ گہری شہد اگیں آنکھیں جو بحرالکاہل کی سی گہرائی لیے ہوئے تھیں میرے نزدیک بے حیثیت رہیں۔

''کاش میں کبھی آنکھیں بند کر کے اپنے اندر جھانک لیتا؟'' میں نے سرد آہ بھری

منزل میرے قدموں میں تھی اور میں اسے سنگ راہ سمجھ کر آگے نکلتا چلا گیا۔ مگر میں ایسا مسافر تھا جو دائرے میں سفر کر رہا تھا کہ ہر بار منزل کو چھو لیتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ اب اچانک اپنے دائرے سے نکلنا پڑا تو سمجھ لگی کہ منزل کو تو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں، اتنا پیچھے کہ واپسی بھی ناممکن ہو گئی ہے۔

''ضو!...... مجھے معاف کر دینا؟'' میری سسکیاں نکلنے لگیں۔

''اگر ابھی اس کے پاس چلا جاؤں، اسے سب کچھ سچ بتا دوں؟''

مگر وہ تو جمشید سے وعدے وعید کر چکی ہے۔ اب وہ اسے کہاں چھوڑنے پر تیار ہوگی۔ جمشید ایک وجیہہ لڑکا

تھا اور پھر ڈاکٹر ہونے کے علاوہ رشتا دار بھی تھا۔امید واثق تھی کہ وہ انکار کر دیتی۔ میری انا میرے غرور کی دھجیاں بکھر جاتیں۔ساری زندگی کے لیے ضو کو ہنسنے کا بہانہ مل جاتا۔

''اچھا جناب!......بہت جلدی خیال آ گیا کہ آپ مجھے چاہتے ہیں؟ لیکن سوری کہ اب مجھے ایک آئیڈیل شریک حیات مل گیا ہے۔بے وقوف تھی جو تم سے امیدیں باندھے ہوئے تھی۔ تمھیں خود اپنی چاہتوں سے فرصت نہیں تھی، مجھے خاک سمجھتے؟ بہ راہ مہربانی اب میرا پیچھا چھوڑ دو سب کچھ ختم ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔''

میں سیخ میں پروئے کباب کی طرح کروٹیں بدلتا رہا، پلکوں نے اتنی ایڑیاں رگڑیں کہ زم زم جاری ہو گیا جو طلوع سحر تک مسلسل جاری رہا۔وہ جو میری ہلکی سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی۔آج میری حالت سے بے خبر تھی اور اس نے اب بے خبر ہی رہنا تھا۔اپنی کشتیاں تو میں خود جلا چکا تھا۔پہلے تو وہ ناشتا دینے آ جاتی تھی مگر پرسوں اس کے ناشتا لانے کے استفسار پر۔

''میں نے ملازما کو ناشتا لانے کا بتا دیا ہے۔'' کہہ کر اس کے جذبے کی کتنی توہین کی تھی۔

''سب کچھ درست، مگر اس نے ایک دم مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے؟'' ایک نئی سوچ میرے دماغ میں جاگی۔اس کے ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ میں نے خود پرسوں صبح اسے بتایا تھا کہ رخشی میری زندگی میں اسی صورت میں آسکتی ہے کہ ضو اس گھر سے کہیں غائب ہو جائے، یقیناً اسی وجہ سے اس نے جمشید پر چٹ منگنی پٹ دیاہ کا زور دیا ہوگا۔

میں سوچتا، تڑپتا، سسکتا رہا۔یہاں تک کہ مؤذن کو میرے حال پر رحم آ گیا۔اور وہ اللہ پاک کی کبریائی بیان کرنے لگا۔

میں بہ مشکل وضو کرنے کے لیے واش روم تک جا سکا تھا۔نماز میں نے کمرے میں ہی پڑھی اور دعا کے لیے جب ہاتھ اٹھائے تو الفاظ ختم ہو چکے تھے صرف سسکتی سوچیں اور لرزتے خیال باقی تھے۔

☆......☆......☆

جائے نماز سے اٹھ کر میں دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا۔اچانک دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے چونکا دیا۔یہ ضو کے آنے کا وقت تھا وہ اسی وقت میرے لیے ناشتا لایا کرتی تھی۔مگر اس نے کبھی دستک دینے کی زحمت

گوارا نہیں کی تھی اب شاید ملازما تھی اور لازماً اس نے ضو سے میرے ناشتے کا وقت وغیرہ کا معلوم کرلیا تھا۔

''آجاؤ۔'' دستک کے جواب میں میں فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا۔ دروازہ کھلا اور میں ششدر رہ گیا۔ ضو ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

''سوری جدیر!...... آخری ہفتہ مجھے برداشت کرلو۔'' وہ ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے بولی۔ ابھی تک اس کی نگاہ میرے چہرے پر نہیں پڑی تھی اور ناممکن تھا کہ اس سے میرا حال چھپا رہتا۔ وہ تو میری رگ رگ سے واقف تھی۔ ٹرے رکھ کر وہ جیسے ہی سیدھی ہوئی اس کی نگاہ میرے چہرے پر پڑی اور اگلے لمحے وہ تیر کی طرح میری طرف بڑھی۔

''راجو!...... کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ سرعت سے میرے قریب ہوئی اور میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے ملائم ہاتھ کی تاثیر میری روح تک میں اتر گئی تھی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میرا مسیحا میرے قریب آگیا تھا۔

''اف، تمھیں تو سخت بخار ہے؟...... بلا نہیں سکتے تھے مجھے۔'' وہ سخت پریشان ہوگئی تھی۔ میرے ساتھ بیٹھ کر میرا سر دباتے ہوئے اس نے ملازما کو آواز دی۔

''جی......؟ چھوٹی بی بی!'' ملازما نے وہاں آنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

''ڈرائیور کو بولو گاڑی تیار کرے راجو کو ہاسپٹل لے جانا ہے۔''

وہ سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''کس وقت ہوا ہے بخار؟'' مجھے وہ پرانی ضو لگی۔

دل چاہا کہہ دوں جس وقت سے تو نے جمشید والی بات بتائی ہے۔ مگر پھر میں کچھ نہ کہہ سکا۔ بس اسے محسوس کرتا رہا۔ وہ سارا سارا دن اور رات کا بیشتر حصہ میرے قرب میں گزار دیتی مگر پہلے مجھے کبھی اتنی لذت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کی محبت میرے لاشعور میں چھپی تھی۔ جیسے ہی پتا چلا کہ وہ کسی اور کی ہونے والی ہے وہ محبت پوری شدت سے ابھر کر سامنے آگئی تھی۔

''کاش یہ دو دن میری زندگی سے محو ہو جاتے۔ کاش جمشید سے وعدے وعید کرنے سے پہلے اس نے مجھے

مطلع کر دیا ہوتا۔ کاش اس سے پہلے کوئی ایسا موقع آیا ہوتا کہ میرے لاشعور میں دبی ضو کی محبت اسی طرح ابھر کر سامنے آ گئی ہوتی۔ کاش...... کاش...... کاش؟"

یہ کاش بھی عجیب مایوسی بھرا لفظ ہے جسے سنتے ہی دماغ میں یاسیت بھر جاتی ہے۔ میرے دل میں بھی مایوسی بھر گئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے آنسوؤں کو روکا ہوا تھا۔

"گاڑی تیار ہے چھوٹی بی بی!" ملازمہ نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"تم چچی جان اور امی جان کو بتا دو۔" اسے کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔

"چلو اٹھو۔" اس نے میرے کندھوں کے نیچے ہاتھ ڈال کر سہارا دیا۔

"میں چل سکتا ہوں۔" میں جلدی سے بولا مگر اس نے میری بات پر بالکل دھیان نہیں دیا اور میرا بازو اپنے ملائم کندھے پر ڈال کر مجھے ساتھ چلانے لگی۔ میری ٹانگوں میں بالکل سانس نہیں رہا تھا۔

مجھے ساتھ لیے وہ کار کی عقبی نشست پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہم ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔ پرائیویٹ ہاسپٹل کے مستعد عملے نے مجھے سرعت سے ایک وی آئی پی کمرے میں منتقل کر دیا تھا۔ میرے لیٹنے تک ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا۔ آتے ساتھ وہ مستعدی سے میرا معاینہ کرنے لگا۔

"کافی تیز بخار ہے۔" "اچھا کیا تم اسے یہاں لے آئیں۔" اس نے تھرمامیٹر دیکھ کر ضو کو کہا اور تھرمامیٹر نرس کو پکڑا دیا۔ اس کے بعد وہ تیزی سے رائٹنگ پیڈ پر میرے لیے میڈیسن لکھنے لگا۔ میڈیسن لکھ کر اس نے وہ صفحہ پیڈ سے پھاڑ کر نرس کے حوالے کیا اور ٹریٹمنٹ کے بارے ضروری ہدایات دینے لگا۔ ضو ایک بار پھر میرے سرہانے بیٹھ کر میری پیشانی دبانے لگی۔ اسی وقت امی جان اور چچی جان کمرے میں داخل ہوئیں۔ چونکہ یہ ہمارا فیملی ہاسپٹل تھا جب بھی کوئی بیمار ہوتا ہم یہیں آتے تھے، اس لیے وہ بھی سیدھا وہیں پہنچیں تھیں۔

"ہائے میں صدقے۔ کیا ہوا میرے بیٹے کو؟" امی جان سے پہلے چچی جان مجھ سے آ لپٹیں۔

"میں ٹھیک ہوں چچی جان۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا تھا۔ ضو کی جدائی کا صدما ایسا نہیں تھا کہ میں ہنس پاتا۔

امی جان بھی میرے بیڈ کے ایک طرف بیٹھ کر شفقت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ان کے آنے کے

باوجود ضو نے اپنا وظیفہ جاری رکھا تھا، وہ اسی طرح محبت سے میرا سر دباتی رہی۔

نرس نے میڈیسن لائی۔ ضو اس سے ٹیبلٹس لے کر مجھے کھلانے لگی۔ گولیاں کھانے کے چند لمحوں بعد ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں، یقیناً ان ٹیبلٹس میں سکون آور ٹیبلٹ بھی شامل ہوگی تبھی میں سو گیا تھا۔ دوبارہ میری آنکھ کھلی تو دوپہر ہونے والی تھی ضو وہیں ایک صوفے پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ مگر اس کے ساتھ وہ گاہے گاہے میرے چہرے پر بھی نگاہ ڈال لیتی۔ اس لیے جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں وہ کتاب بند کر کے تیر کی طرح بیڈ کے قریب آئی۔

''اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر میرا ٹمپریچر محسوس کیا۔

''بہتر ہوں۔'' میں نقاہت سے بولا۔

اس نے بیل دے کر نرس کو بلایا اور کچھ کھانے کے لیے لانے کی ہدایت کی۔

''چھوڑ و ضو!...... میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

''راجو!...... بچہ بننے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے مجھے سختی سے جھڑکا۔ اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

''کاش تو ہمیشہ مجھے جھڑکتی رہے؟'' میرے اندر ایک اور کاش نے جنم لیا۔

تھوڑی دیر بعد نرس دودھ کا گلاس، جیم لگا توس اور ابلا ہوا انڈا لے کر لوٹی تھی۔ تینوں چیزیں ایسی تھیں جو صرف ضو ہی مجھے کھلا سکتی تھی اور اس وقت ضو میرے پاس ہی تھی۔

اس نے سہارا دے کے مجھے بٹھایا اور اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگی۔ میں ہمیشہ سے ان ہاتھوں سے کھاتا آیا تھا۔ لیکن کبھی مجھے قدر نہیں آئی تھی۔ اب جبکہ وہ ہاتھ کسی اور کی دسترس میں جانے والے تھے تو مجھے بہت بھلے لگنے لگ گئے تھے۔ شاید بھلے وہ پہلے بھی لگتے تھے پر مجھے معلوم نہیں تھا۔ کھانے کا ایک ذرہ بھی پلیٹ میں نہیں بچا تھا۔ اس نے میڈیسن کھلا کر مجھے دوبارہ لٹا دیا اور اپنے ملائم ہاتھوں سے مسیحائی کرنے لگی۔ میں زیادہ دیر اس چارہ گری سے لطف اندوز نہیں ہو سکا تھا۔ غنودگی ایک بار پھر مجھ پر حملہ آور ہوئی اور میں خوابوں کے سفر پر روانہ ہو گیا جہاں ابھی تک ضو مجھ سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

میری آنکھ ضو کی آواز سے کھلی تھی، وہ کسی کے ساتھ محو گفتگو تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی مجھے جمشید کا چہرہ نظر آیا وہ ضو کی طرف ہی متوجہ تھا۔ جبکہ ضو کی میرے جانب پشت تھی۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں۔

ضو کی آواز میری سماعتوں میں گونجی۔

''سوری!...... راجو کے ٹھیک ہونے تک میں یہاں سے کہیں نہیں جاسکتی۔''

''تم ہوش میں تو ہو؟'' جمشید دبے دبے لہجے میں بولا تھا۔ ''امی جان تمھارے گھر پہنچ گئی ہیں صرف تمھارا انتظار ہے؟''

وہ اطمینان سے بولی۔ ''دو تین دن بعد ہو جائے گی یہ رسم۔''

''مجھے رسم سے کوئی سروکار نہیں۔ یقینی طور پر دو تین دن بعد ہو جائے گی۔ مگر عذرا سوچو جدیر کی امی جان حیات ہیں۔ یہاں بیٹھنا ان کا فرض بنتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ تمھاری امی جان اسے اٹینڈ کرسکتی ہیں۔''

''کہہ دیا نا؟ جب تک راجو ٹھیک نہیں ہو جاتا میں یہاں سے نہیں جاسکتی۔''

''جب تمھاری شادی ہو جائے گی اور راجو بیمار ہوگا، پھر کیا کرو گی؟...... کیا اس وقت بھی مجھے چھوڑ کر اپنے راجو کے سرہانے بیٹھ جاؤ گی؟'' جمشید کا سوال تلخ ہونے کے باوجود مبنی بر حقیقت تھا۔

''آپ جو سمجھیں؟'' ضو سے جواب نہیں بن پڑا تھا۔

''عذرا!...... میں ممانی جان کو کال کر رہا ہوں، وہ یہاں آجائیں گی، تم چلو میرے ساتھ۔''

جمشید کی بات پر مجھے اتنا غصہ آیا کہ مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا اور اس کوشش میں میرے منہ سے کراہ جیسی آواز خارج ہوئی۔

''راجو!'' ضو کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ سرعت سے میرے قریب آئی۔ ''کیا ہوا؟''

''آں...... ہاں...... کچھ نہیں۔'' میں گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

''جدیر کیسے ہو؟'' جمشید زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر پوچھنے لگا۔

''کافی بہتر ہوں جمشید بھائی۔''

''اچھا، میں عذرا کو لینے آیا تھا؟...... اگر آپ بہتر محسوس کر رہے ہیں تو یہ گھر چلی جاتی ہیں وہاں سے ممانی

جان آجائیں گی؟"

میں نے ٹھنڈی آہ بھر کے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو عذرا!......اب تو جدیر نے بھی اجازت دے دی ہے۔" وہ ایک مرتبہ پھر ضو سے مخاطب ہوا۔ مگر وہ سنی ان سنی کر کے نرس کو بلانے کے لیے بیل دینے لگی۔

"جی؟" مستعد نرس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

"یخنی لے آؤ۔" ضو نے کہا اور وہ سر ہلاتے ہوئے واپس مڑ گئی۔

"عذرا میں کیا کہہ رہا ہوں؟" جمشید دوبارہ اس کو مخاطب ہوا۔

"بتا تو دیا ہے میں نے؟" وہ اطمینان سے بولی۔

"اچھا ایک منٹ باہر آ کر میری بات سنو۔" جمشید اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنے والا تھا۔

"ضو!...... چلی جاؤ...... میری دیکھ بھال کے لیے نرس موجود ہے نا؟" میں بدقت تمام بولا تھا۔

"تم سے کسی نے مشورہ مانگا ہے؟" وہ مجھ پر برس پڑی۔ اور میں نے خاموشی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"تم نے میری بات سنی ہے کہ نہیں؟" اس مرتبہ جمشید کے لہجے میں جھلکنے والا غصہ بالکل واضح تھا۔

"منہ سنبھال کے بات کرو مسٹر!......" ضو ایک دم پھٹ پڑی تھی۔ "شاید تمھیں میری بکواس کی سمجھ نہیں آئی؟ جب کہہ دیا کہ راجو کے ٹھیک ہونے تک میں نے کہیں نہیں جانا تو پھر تمھیں یہاں سے دفع ہو جانا چاہیے۔"

اس کا تیز لہجہ اور تلخ بات سن کر جمشید ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"ہوش میں تو ہو؟" وہ غصے سے بولا۔

"ہاں ہوش میں ہوں اور جاتے وقت اپنی امی جان کو بھی گھر لیتے جایئے گا۔ مجھے نہ تو رشتوں کی کمی نہیں ہے؟ اور نہ میں اتنی گئی گزری ہی ہوں۔ تمھارے جیسے بے ہودہ شخص کی بکواس میں پچھلے ایک گھنٹے سے برداشت کر رہی ہوں مگر عزت تجھے راس نہیں ہے شاید۔" ضو کے منہ میں جو آیا وہ کہتی چلی گئی۔

"تم اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہو، میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔" جمشید قہر آلود نگاہیں مجھ پر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور وہ میرے سرہانے بیٹھ کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

”اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟“ اس نے چاہت سے پوچھا۔

”بہت اچھا۔“ میں اپنی اندرونی خوشی کو دباتا ہوا بولا۔ ”مگر تمھیں جمشید کی اتنی توہین نہیں کرنی چاہیے تھی؟“

”تو کیا کرتی؟ تمھیں اس حال میں چھوڑ کر چلی جاتی؟“

”اتنا اچھا رشتہ تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا بے وقوف۔“ میں کرب ناک آواز میں بولا۔ ”اور اس کی وجہ میں بنوں گا۔“

وہ اطمینان سے بولی۔ ”تم نے بھی تو میری وجہ سے کئی اچھے رشتے گنوائے ہیں؟“

”گویا حساب برابر کر رہی ہو؟“

”نہیں، اصل بات اور ہے۔“ اس نے ہاتھوں کے پیالے میں میرا چہرہ بھر کر میرا رخ اپنی طرف موڑا۔

”کیا؟“ میرے لبوں سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

”کل جب میں نے ڈائننگ ٹیبل پر اپنی شادی کا ذکر کیا تھا تو تم کوئی جواب دیے بغیر اس طرح کیوں اٹھ گئے تھے؟...... تم سے میری شادی کی بات برداشت نہیں ہوئی تھی نا؟“

”میں آہستہ سے بولا۔“ ہاں۔“

”تو بس ٹھیک ہے، اب میں تمھاری شادی ہو جانے کے بعد ہی شادی کروں گی تاکہ تمھیں برا نہ لگے۔“

میں بے بسی سے بولا۔ ”اگر میں کہوں میں آج تک بہت بڑی غلط فہمی میں رہا پھر تم کیا کہو گی؟“

وہ امید بھرے لہجے میں بولی۔ ”یہی کہ میری دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔“

”ضو!...... مجھے معاف کر دو؟ میں نے تمھیں بہت دکھ دیے، مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ میں تمھیں اس شدت سے چاہتا ہوں۔“ نمی میرے آنکھوں کے گوشوں سے رسنے لگی۔

”لیکن مجھے پتا تھا......“ وہ میری چھاتی پر سر رکھتے ہوئے بولی۔ ”بس ڈرتی اس بات سے تھی کہ کہیں تمھیں بہت دیر بعد اس بات کی خبر نہ ہو؟...... کہیں یہ نہ ہو کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے، کہیں یہ نہ ہو کہ شادی کے بعد تمھیں پتا چلے اور ہمارے پاس فقط پچھتاوے رہ جائیں۔“

اسی وقت نرس کھنکارتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس نے ہاتھوں میں ٹرے اٹھائی ہوئی تھی۔ جس میں یخنی کا

پیالہ اور ایک ڈبل روٹی رکھی ہوئی تھی۔نرس کی آمد کے باوجود ضو مجھ سے دور ہٹنے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔

''سسٹر!......دو ابلے ہوئے انڈے اور دودھ کا گلاس بھی لے آؤ، میٹھا نہ ڈالنا۔''

''جی میڈم!'' کہہ کر نرس واپس مڑ گئی۔

میں نے منہ بنایا۔''یہ یخنی والی مصیبت کم تھی کہ اب ابلے ہوئے انڈے بھی؟''

وہ معنی خیز مسکراہٹ سے بولی۔''میرے ہاتھ سے بھی نہیں کھاؤ گے؟''

''ساری زندگی کھاؤں گا ضو!......؟''

''اچھا ایک بات بتاؤں؟'' وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''کوئی بات رہ گئی ہے کیا؟''

''راجو!......اس سے پہلے تو نے جتنی لڑکیوں کے ساتھ روابط رکھے مجھے پروا نہیں ہوئی، مگر ابھی رخشی کی وجہ سے مجھے سنبھلنا پڑا۔اس دن جو تم نے مجھے عذرا کہا، اس کی تلخی اب تک میرے وجود میں رچی ہوئی ہے۔میں ڈر بھی گئی تھی۔اپنے تئیں میں نے سمجھ لیا تھا کہ میں تجھے کھو چکی ہوں، پھر میں نے ایک داؤ کھیلنے کا فیصلہ کیا۔عورت مرد کی آنکھوں کو خوب جانتی ہے۔اور کافی عرصے سے میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ جمشید مجھے بہت پسند کرتا ہے۔میں نے اس دن اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ ایک دم شادی پر تیار ہو گیا۔میرا وجدان کہہ رہا تھا کہ تم مجھے روک لو گے۔اپنی ضو کو کسی دوسرے کی دسترس میں نہیں جانے دو گے؟اور دیکھ لو میرا اندازہ کتنا صحیح تھا۔''

''پاگل!'' میں محبت بھری مسکراہٹ سے بولا۔اسی وقت نرس دوبارہ دروازہ اندر داخل ہوئی۔

''شکریہ۔'' کہہ کر ضو نے اس سے ٹرے پکڑی اور مجھے کھانا کھلانے لگی۔ابھی میں دودھ پی رہا تھا کہ امی جان دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اندر آئیں ان کے پیچھے، چچی جان، ابو جان اور چچا جان بھی تھے۔

''یہ کیا بھئی تم تو پکے ہی لیٹ گئے ہو؟'' چچا جان نے مسکرا کر پوچھا۔

''یہ ضو کی کارستانی ہے چچا جان مجھے اٹھنے ہی نہیں دے رہی۔''

''اچھا ڈاکٹر کیا کہہ رہا ہے؟'' چچا جان دوبارہ مجھ کو مخاطب ہوا یقیناً وہ اب تک ضو سے خفا تھے۔باقی تمام بھی ضو سے کھنچے کھنچے لگ رہے تھے۔

میں جواباً بولا۔ ''ڈاکٹر نے تو کچھ بھی نہیں بتایا۔''

اچانک ضو آگے بڑھ کر امی جان کے گلے لگ گئی۔ ''میری پیاری چچی مجھ سے کیوں خفا ہے؟''

''بیٹیوں سے بھی کوئی خفا ہو سکتا ہے؟'' امی جان اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ ''ویسے، تیری پھوپی آئی تھیں...... ابھی واپس چلی گئیں۔''

''ہاں اب وہ آتی جاتی رہیں گی۔'' چچی جان نے قہر آلود نظروں سے ضو کو گھورا۔

''دیکھیں چچی جان!...... امی آپ کی بہو کو کیسے گھور گھور کر دیکھ رہی ہے؟'' ضو شرارتی لہجے میں بولی۔

''میری بہو؟'' امی جان کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''تو اور کیا؟...... آپ بھی مجھے شکیلہ پھوپی کی بہو بنانے پر تلی ہیں۔''

''کیا......'' ضو کی ماں بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھی۔ ''میری پیاری شہزادی۔'' اس نے ضو کو بانہوں کے گھیرے میں لے لیا، شکر ہے تمھیں سمجھ آ گئی؟''

وہ شرارت سے بولی۔ ''ہاں نا امی جان؟...... ابھی راجو بیمار پڑا ہے اور گھر کا کوئی فرد بھی اس کی دیکھ بھال کے لیے ہاسپٹل نہیں آیا، میں سمجھ گئی کہ اگر میں اس گھر سے رخصت ہو گئی تو میرے معصوم کزن کا خیال کسی نے نہیں رکھنا۔'' اس کی بات پر امی جان اور چچی جھینپ کر ہنسنے لگیں جبکہ میرے حلق سے بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔ ضو ان دونوں سے لپٹی محبت پاش نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے پر سکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

موبائل فون کی گھنٹی بجتے ہی میں نے سکرین پر نگاہ دوڑائی، یا حیرت!...... رخشی کی کال تھی۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی ہاسپٹل سے لوٹا تھا، ضو میری سالگرہ پر ملنے والے تحائف کھول کے دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس کا تبصرہ بھی جاری تھا۔

''ہائے راجو!...... کتنی خوبصورت ریسٹ واچ ہے، اتنا پیارا قلم، اس ڈائری کے اوراق تو لگتا ہے گلاب کی پتیاں ہیں، خوشبودار اور ملائم۔''

''یس؟'' میں کال اٹینڈ کرتے ہوئے نارمل لہجے میں بولا۔

''کیسے ہو؟'' رنجش کے لہجے میں گزشتہ رنجش کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ''مجھے پتا چلا کہ دو دن ہوئے آپ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔''

''الحمدللہ اب ٹھیک ہوں اور ابھی ابھی ہاسپٹل سے لوٹا ہوں۔''

''خفا ہو؟'' اس نے دل آویز لہجے میں پوچھا۔ اس کی خفا ہو سنتے ہی میں نے موبائل فون کا سپیکر آن کر دیا تھا

''نہیں تو؟...... خفگی تو غالباً آپ کی طرف سے تھی۔''

''اب نہیں رہی...... سوری، میں ذرا جذباتی ہو گئی تھی۔'' اس کے لہجے میں ندامت کا عنصر نمایاں تھا۔ اس کی بات سنتے ہی ضو بھی اپنا شغل ترک کر کے ہماری طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''اگر ابھی آرام نہیں کرنا تو میں ملنے کے لیے آجاتی ہوں؟''

میں اطمینان سے بولا۔ ''یہ تو ضو سے پوچھنا پڑے گا، اب پتا نہیں اس نے کیا پروگرام بنایا ہوا ہے؟''

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ آہستہ سے بولی۔ ''طعنہ دے رہے ہو؟''

''نہیں، حقیقت بتا رہا ہوں۔''

''مجھے سمجھ نہیں آئی؟'' وہ الجھ گئی تھی۔

''دو ہفتے بعد ضو کی سال گرہ ہے اور اسی تقریب میں ہماری منگنی بھی ہو گی۔ ایسا ضو چاہتی ہے۔ اور میں اس کے علاوہ کچھ چاہ بھی نہیں سکتا کہ جو میری ضو چاہے۔''

مجھے یقین تھا کہ وہ ایک دم رابطہ منقطع کر دے گی مگر اس کے بجائے مجھے اس کی دکھ بھری آواز سپیکر سے برآمد ہوئی۔ ''کیا یہ سچ ہے؟''

''سو فیصد۔''

''جدیر!...... تم مجھے بہت پیارے ہو بہت زیادہ، مگر اس بات کا پتا مجھے اسی دن چل گیا تھا جب تم عذرا کو منانے کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگ گئے تھے۔ بلکہ میں کیا؟ تمہارے تمام جاننے والے اس بات سے واقف ہیں کہ تم فقط عذرا کے ہو؟...... یوں بھی وہ مجھ سے خوب صورت بھی ہے اور مجھ سے زیادہ تمہاری ضروریات کا خیال بھی رکھ سکتی ہے۔ اتنے دن میں سراب کے پیچھے دوڑتی رہی۔ خدا حافظ اللہ پاک تم دونوں کی

جوڑی سلامت رکھے۔"

"شکریہ رخشی!......تم نے صحیح کہا کہ تمام اس بات واقف تھے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں خود ناواقف تھا

۔اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

ضو مجھے چڑاتے ہوئے بولی۔"تم ناواقف رہتے تو بہتر تھا۔اتنا اچھا رشتا گنوادیا تمھاری اس واقفیت نے۔

ڈاکٹر تو قسمت والیوں کو ملتے ہیں۔"

"کافی دن ہو گئے تمھاری مرمت نہیں کی۔" میں بیڈ سے اتر کر اس کی جانب بڑھا۔

"ناواقف تھے تو پٹائی کرتے تھے، اب بھی پیٹو گے؟" اس نے اس معصومیت سے کہا کہ ایک دم میرا

جارحانہ موڈ ختم ہوا اور میں اس کے قریب قالین پر بیٹھتا ہوا بولا۔"اچھا ایک بتاؤں؟"

متجسس ہو کر بولی۔"پوچھ کر وقت ضائع مت کیا کرو؟"

میں اس رات تیرے پاس آیا تھا، مگر تم اس وقت اپنے ڈاکٹر صاحب سے گپیں ہانک رہی تھیں۔"

"راجو!......جس وقت تم ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر اپنے کمرے میں داخل ہوئے تھے اسی وقت سے میں اپنی

خواب گاہ کے دروازے پر کھڑی تمھاری منتظر تھی۔ مجھے معلوم تھا تم ضرور میرے پاس آؤ گے، کیونکہ بقول رخشندہ

بی بی باقیوں کی طرح مجھے بھی معلوم تھا کہ تم مجھے کتنی شدت سے چاہتے ہو؟" یہ کہہ کر وہ اٹھ کر دروازے کے

قریب پہنچی اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

"اور ہاں اس وقت کی ساری گفتگو فرضی تھی، اس وقت جمشید کا کوئی فون نہیں آیا تھا۔"

"ٹھہرو میں تمھیں بتاتا ہوں۔" میں اٹھ کر اس کی سمت بڑھا اور وہ زبان نکال کر میرا منہ چڑاتے ہوئے

جھپاک سے باہر نکل گئی، میں جانتا تھا کہ وہاں سے اس نے سیدھا امی جان کی گود میں جا کر گھس جانا تھا کہ ایسے

موقعوں پر وہی اس کی سب سے بڑی طرف دار ہوا کرتی تھی۔

❁......❁......❁